قواعدِ کلیہ اور اُن کا آغاز و ارتقاء
ڈاکٹر محمود احمد غازی

محمد کمال الدین

Muhammad Kamal-ud-Din
Senior Subject Specialist (English)
University College of Education
For Elementary Teachers (in / Pre
Service Training) Bahawalpur

25/-

قواعدِ کلیہ اور اُن کا آغاز و ارتقاء

ڈاکٹر محمود احمد غازی

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

مطبوعات شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد

نمبر: ۳

تالیف ڈاکٹر محمود احمد غازی

ادارت محمد میاں صدیقی

ناشر شریعہ اکیڈمی ۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ۔ اسلام آباد

طابع ادارہ تحقیقات اسلامی پریس، اسلام آباد

طبع اول دسمبر ۱۹۹۲ء

تعداد دو ہزار

قیمت

برائے رابطہ:

پروگرام آفیسر۔ شریعہ اکیڈمی ۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ۔ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Muhammad Kamal-ud-Din
Senior Subject Specialist (English)
University College of Education
For Elementary Teachers (in / Pre
Service Training) Bahawalpur.

پیش لفظ

گزشتہ چند عشروں سے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں یہ احساس شدت کے ساتھ بیدار ہو رہا ہے کہ مسلم معاشرے میں اسلامی احکام و قوانین کا نفاذ ہو۔ اس احساس کے نتیجے میں فقہ اسلامی کی تدوین نو کا کام جس انداز سے ہونا چاہیئے تھا' وہ افسوس کہ ابھی تک نہیں ہو سکا۔ عرب علماء نے اس ضمن میں پہل کی ہے' اور انہوں نے بعض قابل قدر کتابیں لکھ کر دوسروں کے لئے ایک نمونہ قائم کیا ہے۔ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء' استاد محمد ابوزہرہ' استاد محمد سلام مدکور' شیخ عبدالقادر عودہ' استاد عبدالرزاق سنہوری' سید وہبہ زحیلی' اور سید سابق کے اسمائے گرامی اس ذیل میں نمایاں ہیں۔

ہمارے وطن عزیز پاکستان میں نفاذ اسلام کی تحریک اول دن سے جاری ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ نفاذ اسلام کے لئے جن بنیادوں کی ضرورت ہے' وہ ابھی تک کماحقہ' حکومت اور معاشرہ کو فراہم نہیں کی گئیں۔

سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے تو شاید یہ کہہ دینا کافی ہو کہ فلاں کتاب کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں' راتوں رات اسلام نافذ ہو سکتا ہے۔ مگر حقائق کی دنیا میں اس بات کا کوئی وزن نہیں' اور نہ ہی اس قسم کے نعروں اور باتوں سے اسلام کا نفاذ ممکن ہے۔

نفاذ اسلام کے نعرے کو اگر عمل کا جامہ پہنانا ہے تو اس کے لئے اس راہ اور اس طریقے کو اپنانا ہو گا جس کی نشان دہی حکیم الامت علامہ اقبال رحمت اللہ علیہ نے اپنی وفات سے چند سال قبل کی تھی۔ علامہ کا خیال تھا کہ اسلام کے قوانین کا مغربی قوانین سے مقابلہ کرکے ان کی ابدیت ثابت کی جائے، اور اسلامی اصول فقہ پر تجدیدی نوعیت کی ایک کتاب تصنیف کی جائے جو آج کے اور مستقبل کے تغیر پذیر معاشرے اور نظام کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بن سکے۔ اس عظیم کام کے لئے ان کی نظر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری پر تھی۔ مگر شومئی قسمت کہ اس احساس اور تصور کے بعد دونوں کی عمر نے وفا نہ کی۔

پاکستان میں احکام اسلام کو موجودہ ضرورتوں کے مطابق مدون کرنے، اور منتخب ابواب کو عربی سے اردو میں منتقل کرنے کے کام کی ابتداء آج سے کم و بیش بارہ برس پہلے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے کی اور گزشتہ عشرے میں مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تدوین نو کے ساتھ شائع کیں۔ جن کی ماہرین قانون نے بطور خاص توقع سے بڑھ کر پذیرائی کی۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اپنے مختلف نصابوں کے ذریعے نفاذ اسلام کے عمل میں جو بنیادیں فراہم کر رہی ہے، مستقبل میں اہل علم ان کی پختگی اور پائداری کو محسوس کریں گے۔

اسلامی یونیورسٹی کے ایک منسلک ادارے شریعہ اکیڈیمی نے وقت کی اس اہم ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسلامی قوانین، اور اس کے مختلف پہلوؤں پر مقالے اور مختصر کتابیں شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس سلسلے کی ابتداء ہم بعض انتہائی اہم مقالات سے کر رہے ہیں۔

زیر نظر مقالہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا ہے۔ اس مقالے کا تعلق ایک

ایسے موضوع سے ہے جو مشکل بھی ہے' اور جس پر اہل علم نے لکھا بھی بہت کم ہے۔ موضوع ہے فقہ کے اصول و کلیات کا' جنہیں فقہاء کی زبان میں قواعد کلیہ کہا جاتا ہے۔ ان سے مراد ایسے رہنما اصول اور ضابطے ہیں جنہیں بنیاد بنا کر ایک فقیہ پیش آمدہ مسائل کا شرعی حکم تلاش کر سکے۔

قواعد کلیہ کو سمجھے بغیر فقہاء کے اجتہادی عمل کو سمجھنا خاصا دشوار ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ان قواعد کے آغاز و ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے۔ اس مقالہ کا مطالعہ قانون کے پیشہ سے وابستہ حضرات کے لئے یقیناً مفید ہو گا۔

ہمیں امید ہے کہ اکیڈمی کے شرکائے کورس اور دیگر ماہرین قانون کے علاوہ عام اہل علم کے لئے بھی شریعہ اکیڈمی کا اشاعتی پروگرام عموما" اور زیر نظر مقالہ بالخصوص افادیت کا حامل ہو گا۔

محمد میاں صدیقی

اسلام آباد

۲۲ اکتوبر ۱۹۹۲ء

قواعد کلیہ اور ان کا آغاز و ارتقاء

قواعد کلیہ کی ابتداء:

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب ائمۂ مجتہدین، اصول فقہ کی تدوین میں مصروف تھے، تعبیر قانون کے اصول کو مرتب کیا جا رہا تھا، اور قرآن مجید اور سنت رسول میں بیان کردہ جزئی احکام کے پردہ میں پوشیدہ کلیات کی دریافت کا کام زور و شور سے جاری تھا، انہی دنوں قواعد کلیہ کے علم کی بنیاد بھی رکھی جا چکی تھی۔ امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ)، امام محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) اور امام محمد بن ادریس الشافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کی فقہی تالیفات میں ایسے بہت سے قواعد بکھرے ہوئے ہیں جن کو بعد میں آنے والے فقہاء نے مرتب کیا اور ان کی بنیاد پر علم قواعد کلیہ کو باقاعدہ شکل دی۔ جوں جوں یہ حضرات فقہی اصول و کلیات کو مرتب کرتے گئے قواعد کلیہ اور ضوابط فقہیہ نکھر نکھر کر سامنے آتے گئے۔ اگرچہ سردست یہ کہنا تو مشکل ہے کہ دوسری صدی ہجری کے جن مجتہدین کی تحریروں میں ایسے کلیات بکھرے ہوئے ملتے ہیں انہوں نے ان کو بالا رادہ قواعد کلیہ ہی کی حیثیت میں مرتب کیا تھا، تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کے زمانہ میں قانون اسلامی کے اصول و کلیات کی تنقیح کا اتنا کام ہو چکا تھا کہ تیسری صدی ہجری کے فقہاء کے لئے قواعد کلیہ کے نام سے ایک جداگانہ علم کی تدوین ممکن ہو سکی۔

یہ قواعد کلیہ ایک دن، یا چند دنوں میں بیٹھ کر کسی ایک شخص یا چند متعین اشخاص نے وضع نہیں کئے، نہ یہ سب کے سب کسی ایک مرحلہ میں اپنی موجودہ شکل میں مرتب ہوئے۔ ان کی ترتیب کی صورت یہ نہیں ہے جو

دنیا کے قوانین کی ہوتی ہے کہ کسی متعین مجلس یا متعین فرد نے ایک خاص وقت میں ایک خاص شکل میں ان کو مدون کر دیا ہو۔ بلکہ رومن لاء کے لیگل میکسمز (Legal Maxims) کی طرح قواعد کلیہ کی ترتیب و تدوین کی صورت بھی ارتقائی رہی ہے۔ ان کی بنیادیں تو قرآن و سنت کے احکام اور صدر اسلام کے ائمۂ کرام کے وہ اجتہادات ہیں جو انہوں نے سالہا سال قرآن و سنت میں غور و فکر کے بعد کئے تھے۔ جوں جوں فقہائے کرام قرآن و سنت کے احکام پر غور کرتے رہے ان کے سامنے ان احکام کا بنیادی فلسفہ' حکمت اور اصول واضح ہوتے گئے' اور ہر زمانہ کے فقہاء ان اصول کو مناسب عبارتوں میں مرتب و مدون کرتے رہے۔ بعد میں آنے والے فقہاء نہ صرف اپنے سے پہلے فقہاء کے مرتب کردہ قواعد و کلیات کی عبارتوں کو بہتر اور جامع بناتے رہے بلکہ خود بھی اپنے مطالعہ اور غور و فکر سے نئے نئے قواعد و ضوابط دریافت کر کے اس ذخیرہ میں اضافہ کرتے رہے۔ اس طرح کم و بیش ایک ہزار سال کی اجتماعی کاوشوں کا یہ ثمرہ قواعد کلیہ کے اس بے بہا خزانہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جس نے آج سے سینکڑوں سال قبل ہی ایک باقاعدہ مربوط اور منظم علم کی صورت اختیار کر لی تھی۔

لہٰذا ان قواعد کا نہ کوئی ایک شخص مصنف ہے نہ یہ کسی ایک یا چند افراد کے ذہن کی پیداوار ہیں اور نہ کسی خاص علاقے' زمانے' یا نسل کے لوگوں کو ان کی تدوین کا اعزاز حاصل ہے۔

البتہ چند قواعد ایسے ہیں جو یا تو براہ راست کسی حدیث نبوی کے الفاظ سے ماخوذ ہیں یا کسی متعین فقیہ و مجتہد کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن ایسے قواعد بہت کم ہیں' اور ان کی حیثیت اس عمومی کیفیت سے استثنائی صورت کی

ہے- مثال کے طور پر درج ذیل قواعد براہ راست احادیث نبویہ سے لفظًا یا معنیً" ماخوذ ہیں:

(۱) الامور بمقاصد ھا: معاملات کا دارو مدار ان کے مقصد پر ہوتا ہے- یہ کلیہ صراحتہً" اس مشہور حدیث نبوی سے ماخوذ ہے جس میں ارشاد ہے:

انما الاعمال بالنیات: اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے-

(۲) لاضرر و لاضرار: نہ نقصان اٹھاؤ نہ (جوابا") نقصان پہنچاؤ- یہ بعینہ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں-

(۳) اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام: جب حلال و حرام یکجا ہوں گے تو حرام ہی غالب مانا جائے گا- اس قاعدہ کے الفاظ ایک روایت سے ملتے جلتے ہیں جو قریب قریب انہی الفاظ میں آئی ہے-

(۴) الحرام لا یحرم الحلال: کسی حرام کے ارتکاب سے کوئی حلال کام حرام نہیں ہوتا- یہ بھی بعینہ ایک حدیث نبوی کے الفاظ ہیں-

(۵) الحدود تندرئی بالشبہات: حدود کی سزائیں شبہہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں-

(۶) الخراج بالضمان: فائدہ وہ اٹھائے جو تاوان دینے کا پابند ہو' یہ بھی بعینہ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں-

اس طرح بعض قواعد (لیکن بہت کم) ایسے ہیں جن کے بارہ میں معلوم ہے کہ حتمی شکل میں فلاں فقیہ نے ان کو سب سے پہلے مرتب کیا تھا- ورنہ قواعد کلیہ کا بیشتر حصہ وہ ہے جو بہت سے اہل علم اور فقہاء کے ہاتھوں مرتب ہوتے ہوتے اپنی موجودہ شکل تک پہنچا ہے اور اب بھی بعض قواعد کی عبارت میں نظرثانی اور مزید بہتری کی گنجائش نظر آجاتی ہے-

عموماً" ہوتا یہ رہا کہ ابتداء" کسی ایک فقیہ نے ایک قاعدہ دریافت کیا اور اس کو ایک خاص عبارت کا جامہ پہنایا۔ پھر بعد میں آنے والے ہر اس فقیہ نے جس نے اس فن یا موضوع پر کام کیا اس کی نوک پلک درست کی' اس کے الفاظ میں مزید اختصار اور جامعیت پیدا کی' تا آنکہ عبارت کی وہ شکل سامنے آئی جو اپنی خوبصورتی' موزونیت' اختصار' بندش' اور جامعیت کی وجہ سے قبول عام اختیار کر گئی۔ اس عمل میں اجتہادی احکام کی علت و حکمت پر کی جانے والی بحثوں اور فقہائے کرام کے دریافت کردہ اسالیب اجتہاد و قیاس نے بھی بہت نمایاں کردار ادا کیا۔

مثال کے طور پر ایک قاعدہ ہے "الاقرار حجتہ قاصرۃ" یعنی اقرار ایک ایسی دلیل ہے جس کا اثر اقرار کرنے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ اب یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس قاعدہ کو دریافت کرنے کا شرف کس فقیہ یا مجتہد کو حاصل ہوا' یا کس فقیہ نے اس کو اس قدر جامع اور مختصر الفاظ میں مرتب کیا جس سے زیادہ جامعیت اور اختصار عربی زبان میں ممکن نہیں ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ابتدائی تصور ہمیں امام ابوالحسن عبیداللہ کرخی (متوفی' ۳۴۰ھ) کے ہاں ملتا ہے۔ وہ اپنی کتاب اصول الکرخی میں لکھتے ہیں:

الاصل ان المرء یعامل فی حق نفسہ کما اقربہ ولا یصدق علی ابطال حق الغیر ولا بالزام الغیر حقا (قاعدہ یہ ہے کہ انسان سے اس کے اپنے معاملہ میں وہی سلوک کیا جائے گا جس کے بارے میں اس نے اقرار کیا ہے البتہ اس کے اقرار کی کسی ایسے معاملہ میں تصدیق نہیں کی جائے گی جس میں کسی دوسرے کے حق کو باطل کیا جا رہا ہو یا کسی دوسرے کے ذمہ کوئی حق لگایا جا رہا ہو۔) اب اس قاعدہ کی اس ابتدائی عبارت پر توجہ فرمائیے' پھر دیکھئے کہ

کس طرح کئی نسلوں کی کوشش اور بہت سے مجتہدین و فقہاء کے غور و فکر کے نتیجہ میں یہی بات کس قدر جامع اور مختصر الفاظ میں سامنے آئی کہ **الاقرار حجتہ قاصرۃ** (اقرار ایک قاصر دلیل ہے) یعنی ایک ایسی دلیل ہے جس کا اثر اقرار کرنے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ اس طرح کا تقابلی مطالعہ اگر دوسرے قواعد کا بھی کیا جائے تو ہمارے سامنے ایسے متعدد قواعد آتے ہیں جن کے بارہ میں ہم حتمی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ابتدائی عبارت ان کی موجودہ عبارت سے خاصی مختلف تھی اور وہ بہت سے مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنی موجودہ صورت تک پہنچے۔(۱)

شروع شروع میں جب قواعد کلیہ وضع ہونا شروع ہوئے اور مختلف فقہاء نے اپنے اپنے مطالعہ اور بصیرت کی بنیاد پر احکام شرعیہ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر غور کر کے ان کو بنیادی اصول اور کلیات کے تحت منضبط کرنے کے کام کا آغاز کیا' تو یہ ایک انتہائی مقبول اور بلند پایہ علم قرار پایا۔ جن اصحاب کو علم قواعد کلیہ سے واقفیت پیدا ہوئی' ان کو فقہاء کے حلقہ میں نمایاں مقام اور خصوصی حیثیت حاصل ہوئی' اور جن اصحاب کو اس نئے مگر مقبول و محترم علم سے زیادہ واقفیت نہ تھی ان کے مقابلہ میں اول الذکر کو زیادہ امتیاز حاصل ہوا۔ ایسی صورت حال میں یہ بات بہ تقاضائے بشری کوئی بعید نہ تھی کہ بعض ایسے اصحاب جن کو خاص خاص قواعد کلیہ سے واقفیت تھی وہ ان کو دوسروں تک پہنچانے میں تردد و تامل کا مظاہرہ کرنے لگیں' اور دوسری طرف طالبان علم بھی حصول علم کی نت نئی تدبیریں سوچیں اور ان کو عملی جامہ پہنائیں۔ فقہائے کرام کی ان دو جماعتوں کے اس رویہ نے بعض واقعات اور دلچسپ قصوں کو بھی جنم دیا۔ ایسا ہی ایک قصہ یا واقعہ سیوطی اور

ابن نجیمؒ نے اپنی اپنی الاشباہ و النظائر میں نقل کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امام ابوطاہر الدباس نے امام ابوحنیفہ کی فقہی آراء اور اجتہادات کے گہرے مطالعہ کے بعد ان کی بنیاد سترہ قواعد کلیہ کو قرار دیا تھا۔انہوں نے اپنے مطالعہ، غور و فکر اور ذاتی تحقیق و تجسّس سے یہ معلوم کیا کہ امام ابوحنیفہ کے فقہی افکار ان سترہ اصول کے تحت منضبط ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی اس تحقیق اور انکشاف پر اتنا ناز تھا کہ وہ اپنی اس لذتِ تحقیق میں کسی دوسرے کو شریک کرنا نہیں چاہتے تھے، اور کسی بھی طالب علم یا معاصر فقیہ کو اصرار کے باوجود ان سترہ قواعد کی تعلیم نہیں دیتے تھے۔ بالخصوص غیر حنفی اور خاص طور پر شافعی فقہاء سے تو وہ اس بے بہا ذخیرہ کو بہت ہی بچا کر رکھتے تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں حنفی اور شافعی فقہاء کے درمیان مناظرانہ فضا اور فقیہانہ چشمک عروج پر تھی، ہر دو مکاتب فقہ کے اہل علم آئے دن ایک دوسرے سے علمی بحث و تمحیص میں مصروف رہتے تھے، اور ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہمارا اجتہادی اسلوب ترقی کر کے دوسرے سے آگے نکل جائے۔ اس منافست سے جہاں فقہ اور قانونی تفکیر کے عمل میں بے مثال پیشرفت ہوئی وہاں بعض اوقات ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔

ایک بار کسی طرح امام ابوطاہر الدباس کے شافعی معاصر امام ابوسعید الہروی کو معلوم ہو گیا کہ ابوطاہر الدباس نے ایسے سترہ قواعد مضبط کئے ہیں جن کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ کے جملہ اجتہادات تک بسہولت رسائی ہو سکتی ہے۔ ابوسعید الہروی اس علمی راز کا پتہ چلانے کے ارادہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ابوطاہر الدباس نابینا ہیں اس لئے وہ نہ تو

قواعد کو قلم بند کر سکتے ہیں اور نہ ان کی تشریحات اور ان کے تحت آنے والے احکام کو لکھ سکتے ہیں۔ اس لئے بھول جانے کے خطرہ کے پیش نظر وہ روزانہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد جب مسجد بالکل خالی ہو جاتی ہے تو وہ اندر سے دروازہ بند کر کے ان کو زبانی دھراتے ہیں۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد ابوسعید ھروی چل کر ابو طاہر دباس کے وطن پہنچے، رات کو خاموشی سے مسجد میں گئے اور نماز عشاء کے بعد ایک چٹائی میں لپٹ کر بیٹھ گئے۔ ابوطاہر نے حسب عادت اندر سے مسجد بند کر لی اور قواعد کو دھرانا شروع کیا، جیسے جیسے وہ اپنے قواعد دھراتے جاتے ابوسعید بھی خاموشی سے ان کو یاد کرتے جاتے۔ ابھی سات تک ہی پہنچے تھے کہ غالباً" چٹائی میں لپٹنے کی وجہ سے ان کو کھانسی آگئی۔ ابو طاہر کو پتا چل گیا کہ آج کوئی ان کا علمی کارنامہ ان سے اچک لینے کی غرض سے آپہنچا ہے۔

چنانچہ انہوں نے اس علمی "گھس بیٹھیے" کی مرمت کی اور مسجد سے نکال باہر کیا اور آئندہ کے لئے یہ معمول ختم کر دیا۔ غریب ابو سعید ھروی نے بھی ان سات قواعد پر ہی اکتفا کرنے میں خیریت سمجھی اور واپس آکر اپنے شاگردوں کو ان کی تعلیم دینے لگے۔(۲)۔

لیکن علامہ حموی نے جو ابن نجیم کی الاشباہ و النظائر کے شارح ہیں اس واقعہ کی صحت میں تامل ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے ابو سعید ھروی کے بجائے ھرات کے کسی حنفی عالم سے یہ واقعہ منسوب کیا ہے۔ (۲) چاہے یہ ساری تفصیلات اپنی جگہ صحیح نہ ہوں لیکن چونکہ بہت سے اصحاب نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعہ کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہے جیسا کہ استاذ مصطفیٰ زرقاء نے بھی اشارہ کیا ہے۔ (۴) اس طرح کے واقعات

سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قواعد کلیہ کے علم کو اس کے دور آغاز ہی سے ہمارے فقہاء کی نظر میں کتنی اہمیت اور قدر و منزلت حاصل تھی۔

قاعدہ کلیہ کی تعریف:

عربی زبان میں قاعدہ کے لغوی معنی کسی عمارت کی بنیاد کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ھودہ کے نیچے لگائی جانے والی لکڑیوں کو بھی قواعد کہتے ہیں کہ وہ بھی ھودہ کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہوتی ہیں۔ کسی مملکت کے دارالحکومت کو بھی قاعدہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی مملکت کی بنیاد کی طرح اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ قاعدہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۵)

اصطلاحی اعتبار سے فقہی اور قانونی قاعدہ دوسرے علوم و فنون سے ذرا مختلف مفہوم رکھتا ہے۔ دوسرے علوم مثلاً نحو، طبیعات، ریاضی وغیرہ میں قاعدہ سے مراد ایسا حکم یا اصول ہے جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہوتا ہو، یعنی جس کا اطلاق اس کے ذیل میں آنے والی تمام فروعی صورتوں پر ہوتا ہو۔ مثلاً نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے مفعول منصوب ہوتا ہے۔ اب یہ دونوں قواعد ہر قسم کے فاعل اور ہر قسم کے مفعول کو حاوی ہیں اور سب پر ان کا اطلاق یکساں طور پر ہوتا ہے۔ کوئی مفعول یا فاعل ایسا نہیں ہے جو ان قواعد کے اطلاق سے باہر ہو۔ یا مثلاً طبیعات اور منطق کے قواعد ہیں کہ وہ ہر حال میں اپنی ذیلی شکلوں پر منطبق ہوتے ہیں۔

فقہی قواعد کا معاملہ ان سے ذرا مختلف ہے۔ ایک فقہی قاعدہ کا اطلاق اس کے ذیل میں آسکنے والے تمام حالات و مسائل پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی صرف بیشتر صورتوں پر ہوتا ہے اور بہت سی صورتیں بہرحال ایسی ہوتی ہیں جو

اس قاعدہ کے اطلاق سے باہر رہتی ہیں۔ لہٰذا فقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں قاعدہ کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

حکم کلی ینطبق علی جمیع جزئیاتہ لتعرف احکامھا منھا (٦) قاعدہ سے مراد وہ کلی اور عمومی حکم (قانون ' اصول) ہے جس کا اطلاق اس کے تحت آنے والی تمام جزئی صورتوں پر ہوتا ہے تاکہ ان کے احکام اس قاعدہ سے معلوم کیئے جا سکیں

اس کے برعکس فقہی قاعدہ کی جو تعریفیں مرتب کی گئی ہیں' ان میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس کا اطلاق اس کی تمام جزئی صورتوں پر نہیں ہوتا بلکہ اکثر پر ہوتا ہے۔ ایسی چند تعریفات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) **حکم اکثری لا کلی ینطبق علی اکثر جزئیاتہ لتعرف احکامھا منھا ۷**: قاعدہ سے مراد وہ اصول (حکم) ہے جو کلی نہ ہو بلکہ اکثریتی ہو اور اپنے تحت آنے والی اکثر جزئیات پر اس کا اطلاق ہوتا ہو تاکہ ان جزئیات کا فقہی حکم اس سے معلوم کیا جا سکے۔

(۲) **حکم اغلبی ینطبق علی معظم جزئیاتہ ۸** : وہ ایسا حکم ہے جو اکثریت کی بنیاد پر ہوتا ہو اور اپنے تحت آنے والے بیشتر جزئیات پر منطبق ہو جاتا ہو۔

(۳) **حکم کلی او غالب ینطبق علی جزئیات کلھا او اکثرھا ۹**: وہ ایسا حکم ہے جو کلی ہو یا اکثریتی ہو اور اپنی تمام یا اکثر جزئیات پر منطبق ہو جاتا ہو۔

(۴) **ھوالحکم الکلی او الاکثری الذی یراد بہ معرفتہ حکم الجزئیات ۹** : وہ ایسا کلی یا اکثریتی حکم ہے جس کا مقصد یہ ہو کہ اس کے ذریعہ

جزئیات معلوم کیئے جائیں۔

اس طرح کی اور بھی چند تعریفات کتب اصول سے نقل کی جا سکتی ہیں لیکن ان سب کا مفہوم وہی ہے جو مذکورہ بالا تعریفات میں آگیا ہے۔ ان سب تعریفات میں دو باتیں مشترک ہیں جو یہ ہیں:

(الف) فقہ کے قواعد کلیہ اگرچہ کلیہ کہلاتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر صورتوں میں وہ قواعد کلیہ نہیں ہیں بلکہ قواعد اکثریہ ہیں۔ یعنی ان کے تحت آنے والی اکثر جزوی صورتوں پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تعریفوں میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(ب) یہ سب تعریفیں ان لوگوں کے لئے تو مفید علم ہیں جن کے ذھن میں پہلے سے قواعد کلیہ کا تصور موجود ہو۔ لیکن جو لوگ قواعد کلیہ کا کوئی تصور نہیں رکھتے' ان کے لئے محض ان تعریفوں کی مدد سے قاعدہ کلیہ کا صحیح تصور حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء ان تعریفات سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کی رائے میں ان میں سے کوئی تعریف بھی اتنی جامع' واضح اور مکمل نہیں ہے کہ پڑھنے والے کو اس کی مدد سے قاعدہ کلیہ کی حقیقت و ماہیت سے بخوبی آگاھی حاصل ہو جائے۔ انہوں نے خود ایک تعریف وضع کی ہے جس سے قواعد کلیہ کی حقیقت اور ماہیت اچھی طرح سامنے آجاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قواعد کلیہ:

اصول فقهية كلية فى نصوص موجزة دستورية تتضمن احكاما تشريعية عامة فى الحوادث التى تدخل تحت موضوعها۔ (۱۱)

وہ عمومی فقہی اصول ہیں جن کو مختصر قانونی زبان میں مرتب کیا گیا

ہو، اور جن میں سے ایسے عمومی قانونی اور فقہی احکام بیان کئے گئے ہوں جو اس موضوع کے تحت آنے والے حوادث و واقعات کے بارہ میں ہوں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استاذ مصطفیٰ زرقاء کی مرتب کردہ یہ تعریف اوپر دی گئی دوسری تعریفات کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہے، گو اس میں اتنا ایجاز و اختصار نہیں ہے جتنا اوپر کی تعریفات کے مرتبین نے ملحوظ رکھا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن نجیم کی الاشباہ و النظائر کے شارح علامہ حموی نے عام قاعدہ اور قاعدہ کلیہ میں فرق کیا ہے۔ اوپر ان کے حوالہ سے جو تعریفیں گذری ہیں وہ قاعدہ کی تعریفیں تھیں۔ قاعدہ کلیہ کی تعریف علامہ حموی کے الفاظ میں یہ ہے:

القواعد التی لم تدخل قاعدۃ منھا تحت قاعدۃ اخری، و ان خرج منھا بعض الافراد ۔(۱۲)

(قواعد کلیہ سے مراد وہ قواعد ہیں جن میں سے کوئی قاعدہ کسی دوسرے قاعدے کے ماتحت نہیں آتا، چاہے اس کی اپنی بعض جزئیات اس سے باہر رہتی ہوں)

یہ کہنا مشکل ہے کہ آج جن قواعد کو ہم قواعد کلیہ کہتے ہیں ان کے لئے پہلے پہل قواعد یا قاعدہ کی اصطلاح کس فقیہ نے استعمال کی، تاہم جس کے ذہن میں سب سے پہلے یہ لفظ آیا تو یہ اس قدر موزوں اور مناسب تھا کہ پھر یہی اصطلاح رائج ہو گئی اور دوسری تمام اصطلاحات متروک ہو گئیں۔ قاعدہ، اور قواعد کی اصطلاح کے رواج سے قبل اصل اور اصول کی اصطلاح رائج تھی اور خاصے عرصہ تک یہی اصطلاح رائج رہی۔ چنانچہ امام ابوالحسن عبیداللہ الکرخی (متوفی ۳۴۰ھ) کے مشہور رسالہ اصول الکرخی میں اصل سے مراد

قاعدہ ہی ہے۔ بعد میں غالباً" اصول الفقہ سے التباس کے خطرہ کے پیش نظر کسی متبادل اصطلاح کی ضرورت محسوس ہوئی' تاکہ قواعد الفقہ (لیگل میکسمز) کو اصول الفقہ (پرنسپلز آف جورس پروڈنس) سے ممیّز کیا جا سکے۔

قواعد کلیہ کا علم جب ترقی کر کے ایک باقاعدہ اور مدون علم (سائنس) کی حیثیت اختیار کر گیا تو غالباً" اس وقت اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ہمہ موضوعی اور یک موضوعی قواعد کو الگ الگ کیا جائے۔ یہ ضرورت کس زمانہ میں محسوس کی گئی؟ اس کا تعین تو دشوار ہے البتہ چھٹی ساتویں صدی تک قواعد کلیہ کا فن بہت ترقی کر چکا تھا' اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ امتیاز بھی کیا جانے لگا ہو گا کہ ہمہ موضوعی یا کثیر موضوعی قواعد کون سے ہیں اور یک موضوعی کون سے؟ ان میں اول الذکر تو بدستور قاعدہ اور قواعد کہلاتے رہے اور ثانی الذکر کے لئے ضابط' ضابطہ اور ضوابط کی اصطلاح مروج ہوئی۔ لہٰذا اب قاعدہ سے مراد وہ عمومی اصول قرار پایا جو فقہ کے تمام یا بہت سے ابواب سے متعلق جزئیات پر منطبق ہوتا ہو۔ مثلاً یہ اصول: الامور بمقاصدھا' معاملات کا دارومدار ان کے مقصد پر ہوتا ہے۔ یہ اصول فقہ کے تقریباً تمام ابواب میں پھیلی ہوئی جزئیات پر منطبق ہوتا ہے۔ وضوء' نماز' روزہ' زکواۃ' حج' نکاح' طلاق' خریدو فروخت غرض ہر جگہ یہ اصول منطبق ہوتا دکھائی دیتا ہے اور ہر جگہ اس سے استدلال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اس کے برعکس فقہائے متاخرین کی اصطلاح میں ضابط اور ضابطہ سے مراد وہ اصول ہے جو فقہ کے کسی ایک باب سے متعلق ہو' یعنی اس کے تحت جو احکام اور جزئیات آتے ہیں وہ کسی ایک باب مثلاً عبادات' یا عبادات میں

بھی مثلاً زکواۃ سے متعلق ہوں۔ مثلاً عبادات سے متعلق فقہائے احناف کے ہاں مشہور ضابطہ ہے۔ لزم النفل بالشروع (۱۲) (نفل عبادت ایک بار شروع کرنے کے بعد لازمی ہو جاتی ہے) اس اصول کا اطلاق نماز، روزہ، حج، قربانی سب پر ہوتا ہے۔ لیکن یہ صرف عبادات کے مباحث ہیں۔ اس لئے اس اصول کو اصطلاح میں قاعدہ نہیں بلکہ ضابطہ کہا جائے گا۔ اس طرح ایک اور اصول ہے: المستامن بمنزلتہ الذمی فی دارنا، یعنی ہمارے (مسلمانوں کے) علاقہ میں مستامن (اجازت لے کر وقتی طور پر آنے والے غیر مسلم ریاست کے شہری) کی حیثیت وہی ہے جو ذمی (یعنی اسلامی ریاست کے مستقل غیر مسلم شہری) کی ہوتی ہے۔ یہ بھی ضابطہ ہے اس لئے کہ اس کا اطلاق صرف اسلام کے قانون بین الاقوام اور قانون بین الممالک کے مباحث میں ہوتا ہے اور فقہ کے دوسرے کئی مباحث میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا قاعدہ اور ضابطہ کے استعمال میں یہ اصطلاحی فرق متاخرین فقہاء کا ہے۔ متقدین کے ہاں یہ دونوں اصطلاحات ہم معنی اور ہم مفہوم ہیں۔ بعد کے بھی بعض فقہاء نے ان کو بسا اوقات ایک ہی معنی و مفہوم میں استعمال کر لیا ہے۔

مغربی قوانین کی اصطلاح میں بھی ایسے اصولوں کے لئے دو الگ الگ اصطلاحات مروج ہیں۔ میکسم اور پرنسپل۔

قواعد کلیہ کی فقہی اور قانونی حیثیت:

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بیشتر قواعد کلیہ وہ ہیں جو اکثریتی نوعیت کے ہیں اور محض اکثر صورتوں میں اپنی جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں، اس لئے ان

کے بارہ میں یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ قواعد کسی مستقل بالذات شرعی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے، یعنی یہ خود اپنی ذات میں ماخذ قانون نہیں ہیں کہ محض کسی قاعدہ کلیہ کی بنیاد پر کوئی قانون وضع کیا جا سکے۔ ماخذ قانون صرف قرآن مجید اور سنت رسول ہیں، یا وہ اجماع اور اجتہاد و قیاس جو قرآن و سنت کی بنیاد پر وقوع پذیر ہوئے ہوں۔

قاعدہ کلیہ کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ زیر بحث موضوع سے متعلق فقہ اسلامی کی عمومی فکر اور منہاج کو واضح کرتا ہے، اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں فقہ اسلامی کا انداز تفکیر کیا ہے، یا فلاں معاملہ میں قیاس و اجتہاد کا رخ کیا ہے، یا فلاں مسئلہ میں فقہی حکم معلوم کرنے کا عمومی اسلوب کیا ہے۔ لہٰذا جس طرح فقہ کے دوسرے جزوی اور فروعی احکام براہ راست یا بالواسطہ قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں اسی طرح قواعد کلیہ بھی قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ اگر کوئی قاعدہ کلیہ قرآن و سنت کے کسی حکم سے متعارض ہو تو اس کی سرے سے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تقریباً یہی حیثیت مغربی اصول قانون میں لیگل میکسمز کی ہے۔ یہ میکسمز (Maxims) نہ تو ماخذ قانون ہیں اور نہ اپنی ذات میں وہ خود قانون ہیں۔ وہ محض مغربی قانون کے عمومی انداز فکر کو سمجھنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ ایک مشہور مغربی قانون دان کے بقول یہ Maxims قانونی دنیا کی ضرب الامثال ہیں۔ جس طرح کسی قوم یا کسی علاقہ کی ضرب الامثال و محاورات سے اس قوم یا علاقہ کے انداز فکر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اسی طرح ان میکسمز سے بھی مغربی قانونی دنیا کے عام انداز فکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی کسی قانون موضوعہ (Statutory Law) اور لیگل میکسم میں تعارض ہو تو قانون موضوعہ ہی کو

برتری حاصل ہو گی' اس لئے کہ لیگل میکسم خود کوئی قانون نہیں ہے' اس کی حیثیت صرف تشریحی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کبھی بھی کسی قاعدہ کلیہ سے کوئی استدلال کرنا یا کسی نئی پیش آمدہ صورت حال پر اس کو منطبق کرنا غلط ہے۔ قاعدہ کلیہ سے استدلال کرنا درست ہے اور کسی نئی صورت حال پر اس کو منطبق کرنا بھی درست ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اس استدلال کو محض مجازاً ہی استدلال کہا جا سکے گا' اس لئے کہ یہ وہ استدلال نہیں ہے جو کسی دلیل شرعی (ماخذ قانون) کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس استدلال کی حیثیت دراصل تفریع کی ہے۔ جس طرح ایک عمومی حکم معلوم ہو جانے کے بعد اس کی ذیلی فرعیں معلوم کر لینا بہت آسان ہو جاتا ہے' اسی طرح ایک قاعدہ کلیہ کی ذیلی فرعیں معلوم کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے جب قواعد کلیہ نہ خود قانون ہیں' اور نہ ماخذ قانون ہیں' اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی مستقل بالذات استدلال کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کا فائدہ اور ضرورت کیا ہے؟ آخر کس مقصد کے لئے فقہائے کرام نے ان پر اتنی توجہ اور محنت صرف کی؟ اس سوال کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ ان کی قانونی اور عدالتی اہمیت سے قطع نظر ان کی تعلیمی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء کے بقول: ہی دساتیر للتفقیہ لانصوص للقضاء'۱۴ (یہ قواعد فقیہ بنانے اور فقہ میں درک پیدا کرنے کے اصول ہیں' عدالتی فیصلوں کی بنیاد بننے والے قوانین نہیں ہیں۔) مجلۃ الاحکام العدلیہ کے مولفین و مرتبین نے بھی مجلّہ کے پہلے باب میں جہاں ننانوے قواعد کلیہ بیان کئے ہیں وہاں انہوں نے دفعہ نمبر ایک میں قواعد کے فائدہ اور ضرورت کی

طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مجلّہ کے شارحین نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ مجلّہ کے مرتبین و شارحین کی رائے میں قواعد کلیہ کے فوائد یہ ہیں:

(الف) یہ قواعد فقہ کے لٹریچر کے معتبر اور مسلم اصول ہیں' اور فقہائے کرام کے طرز استدلال سے واقف ہونے کے لئے ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔

(ب) فقہی احکام کی پشت پر جو عمومی انداز فکر کارفرما ہے اس سے ایک عمومی واقفیت پیدا کرنے کے لئے ان قواعد کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

(ج) قواعد کلیہ کے مطالعہ سے فقہی احکام سے ایک گونہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

(د) قواعد کلیہ کے مطالعہ سے فقہ اسلامی میں گہرا درک حاصل ہو جاتا ہے۔ (۱۵)

(ھ) منتشر و متفرق فقہی مسائل کو مرتب و منضبط کرنے اور انہیں ایک مربوط قانونی نظام کے تحت لانے میں مدد ملتی ہے۔

(و) فروع و جزئیات چونکہ بے شمار ہیں اس لئے ان سب کے تفصیلی دلائل یاد کرنا اور مستحضر رکھنا مشکل ہے۔ اگر قواعد کلیہ اور ان کے ماخذ و دلائل سے ایک بار واقفیت پیدا ہو جائے تو ان کے تحت آنے والے فروع و جزئیات کی جڑ ہاتھ آجاتی ہے۔

(ز) قواعد کلیہ سے واقفیت کے بعد انسان کے لئے روزمرہ زندگی میں شریعت کے نقطہ نظر کو جاننا اور اپنے معاملات پر منطبق کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ (۱۶)

(ح) ایک غیر فقیہ مقلد بھی اگر قواعد کلیہ سے واقف ہو جائے تو اس کو بھی ایسی روشنی حاصل ہو جاتی ہے جس کی مدد سے وہ فقہ کے دلائل سے اجمالی طور پر باخبر ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کی بنیاد پر اس کو کوئی فتویٰ یا فیصلہ جاری نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ بعض اوقات کوئی خاص صورت حال کسی خاص قاعدہ کے ذیل میں نہیں آتی' چاہے بظاہر اس قاعدہ کا تعلق اس معاملہ سے ہو' اس لئے کہ کبھی کسی دوسرے قاعدہ کے اثر سے' کبھی کسی خاص شرعی حکم کے تحت' کبھی کسی اور وجہ سے کوئی سبب ایسا پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ خاص صورت حال قاعدہ کلیہ کے اطلاق سے نکل جاتی ہے۔ چونکہ یہ نہایت مہارت اور دقت نظر کا کام ہے اس لئے براہ راست کسی قاعدہ سے استدلال کر کے فیصلہ یا فتویٰ نہیں دے دینا چاہئے (۱۷)

یہ بات خود مجلتہ الاحکام العدلیہ کے مرتبین نے بھی واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ جہاں تک فیصلوں اور فتوؤں کا تعلق ہے تو وہ محض کسی قاعدہ کلیہ کی بنیاد پر نہیں دینے چاہئیں بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی قرآنی' حدیثی یا فقہی نص موجود ہو۔ مجلّہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

لیس لحکام الشرع الشریف ان یحکموا بمجرد استناد الی واحدة من هذه القواعد مالم یقفوا علی نص صریح۔ (۱۸)

(جب تک کوئی واضح حکم (نص) موجود نہ ہو تو حکام شریعت کو ان میں سے کسی قاعدہ کی بنیاد پر کوئی فیصلہ دے دینا جائز نہیں ہے)

یہی بات مجلّہ کے جملہ شارحین نے بھی بڑی وضاحت سے کہی ہے۔ لیکن علامہ یوسف آصاف نے اس بات کو ذرا مختلف انداز میں کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی واضح حکم (نص) موجود نہ ہو تو محض ان میں

سے کسی ایک قاعدہ کی بنیاد پر کوئی فیصلہ دینا لازمی نہیں ہے(**لایجب علیھم ان یحکموا....**) (۱۹) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم یوسف آصاف کے نزدیک اس کی گنجائش موجود ہے کہ اگر کوئی فقہی نص موجود نہ ہو تو کسی قاعدہ کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

قواعد کلیہ میں استثناء ات:

اوپر یہ بات کہی جا چکی ہے کہ بیشتر قواعد کلیہ اس معنی میں کلیہ نہیں ہیں کہ ان میں کوئی استثناء موجود نہیں ہے' بلکہ اکثر قواعد کی حیثیت محض اغلبی اور اکثریتی ہے' یعنی وہ اپنے تحت آنے والی بیشتر اور اکثر جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں' سب پر نہیں۔ یہ قواعد کلیہ ایسے ہمہ گیر قانونی اصول نہیں ہیں کہ ان میں بالکل بھی استثناء موجود نہ ہو' بلکہ یہ صرف وہ کلیات ہیں جو اکثر و بیشتر بہت سی صورتوں کو حاوی ہوتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق اکثر صورتیں اور ان کے احکام ان قواعد کے تحت آجاتے ہیں' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں استثناء ات بھی بہت ہوتے ہیں۔ ان استثناء ات کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک خاص معاملہ کسی ایک قاعدہ کلیہ کے بجائے کسی دوسرے قاعدہ کلیہ کے ماتحت ہوتا ہے' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قاعدۂ کلیہ کا ایک خاص تقاضا ہوتا ہے لیکن استحسان' قیاس یا کسی اور اصول کا کوئی اور تقاضا ہوتا ہے جس کے پیش نظر مجتہد مقاصد شریعت کا تقاضا یہ سمجھا جاتا ہے کہ خاص اس معاملہ میں قاعدہ کلیہ کے بجائے اس دوسرے اصول کو منطبق کرنا ضروری ہے۔ مثلاً کبھی عدل و انصاف' جلب مصالح' دفع مفاسد' رفع حرج وغیرہ کے پیش نظر قاعدہ کلیہ کے انطباق کو محدود کر دیا جاتا

ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کے پیش نظر قواعد کلیہ کو اغلبی یا اکثریتی قواعد کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے دائرہ کار سے متعلق اکثر صورتوں کو حاوی ہیں' سب کو نہیں۔ اس لئے شاید ہی کوئی قاعدہ کلیہ ایسا ہو جس میں استثناء ات نہ ہوں' جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

قواعد کلیہ میں استثناء ات کی کثرت کو دیکھ کر یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ان کی علمی اور فقہی حیثیت محل نظر ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان استثناآت کے باوجود ان قواعد کی علمی اہمیت' فقہی مقام و مرتبہ اور اجتہادی بصیرت پیدا کرنے میں ان کا کردار اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ان قواعد کلیہ سے وہ بنیادیں ہاتھ آ جاتی ہیں جن پر فقہ اسلامی کی عمارت قائم ہے۔ اگر کسی کو یہ سب' یا ان میں سے بیشتر قواعد مستحضر ہوں تو اس کے ہاتھ گویا وہ کلید آجاتی ہے جس سے فقہ اسلامی کی بہت سی گتھیاں خود بخود سلجھتی چلی جاتی ہیں۔ جو حضرات قواعد کلیہ سے صرف نظر کر کے فقہ اسلامی کا مطالعہ کرتے ہیں ان کو بعض اوقات فقہ کا یہ سارا ذخیرہ ایک غیر مربوط' غیر مرتب اور منتشر احکام کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کو نہ ان سارے احکام اور اصول میں کوئی باہمی ربط ترتیب اور نظم نظر آتا ہے اور نہ وہ قانون سازی کے میدان میں اسلامی شریعت کے بنیادی رجحان اور فلسفہ سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

مشہور مالکی فقیہ امام ابوالعباس قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) جن کو علم فروق میں امامت کا درجہ حاصل ہے فرماتے ہیں کہ: فقہ اسلامی کے سارے ذخیرہ میں قواعد کلیہ کو نہایت اہم مقام حاصل ہے اور علمی طور پر ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص قواعد کلیہ میں جتنا درک اور بصیرت حاصل کرے گا اتنا ہی اس کو فقہ اسلامی پر عبور حاصل ہو گا اور اس کی فقہی آراء

میں اتنی ہی پختگی پیدا ہو گی۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص قواعد کلیہ کو نظر انداز کر کے محض جزئیات اور فروعی مسائل کو یاد کرنے میں لگے گا اس کو بڑی مشکلات' دقتوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا' اس لئے کہ اس کو جو جزئی مسائل اور فروعی احکام یاد کرنے پڑیں گے وہ لا متناہی ہوں گے۔ لیکن جو شخص پہلے قواعد کلیہ پر عبور حاصل کر کے پھر جزئیات کی طرف جائے گا اسے اکثر و بیشتر صورتوں میں جزئیات کو الگ الگ یاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی' اس لئے کہ بہت سی جزئیات تو انہی کلیات کے اندر آجائیں گی جن پر وہ پہلے ہی حاوی ہو چکا ہو گا۔ اس طرح بہت سے ایسے معاملات و مسائل جو دوسروں کو ایک دوسرے سے الگ الگ اور جدا جدا نظر آتے ہیں وہ اس شخص کو ایک مربوط اور متناسب اسکیم میں مندرج ہونے کی وجہ سے بسہولت یاد رہیں گے۔ (۲۰)

قریب قریب یہی بات مجلتہ الاحکام العدلیہ کے مرتبین نے بھی کہی ہے چنانچہ مجلّہ کے مقدمہ میں لکھا ہے: مسائل فقہ کو سمجھنے میں ان قواعد سے بڑا فائدہ پہنچے گا' جو شخص ان قواعد کو خوب سمجھ لے گا اس کو مسائل فقہ کی ان کے دلائل کے بموجب اچھی طرح فہم حاصل ہو جائے گا۔ اسی طرح تمام عدالتی حکام بھی ہر موقع پر ان قواعد کی طرف رجوع کر سکیں گے' ان قواعد کے ذریعہ لوگوں کے لئے یہ ممکن ہو جائے گا کہ وہ اپنے معاملات کے بارہ میں حکم شرعی معلوم کر کے اس کی تطبیق کر سکیں یا کم از کم اپنے معاملات کو شریعت کی روح سے قریب تر کر سکیں۔ (۲۱)

علم قواعد کی ابتدائی تاریخ:

اوپر قواعد کلیہ کا آغاز کے عنوان سے اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ان قواعد کا آغاز کیسے اور کیوں کر ہوا۔ اسی طرح اشباہ و نظائر اور علم قواعد و فروق کے تعارف کے ضمن میں ان قواعد کی ضرورت کا احساس کیوں ہوا یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ یوں تو اشباہ و نظائر' فروق اور قواعد کلیہ پر غور و خوض اور نئے نئے اصول اور کلیات کی دریافت کا کام دور صحابہ کرام سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن اس میدان میں زیادہ زور و شور سے کام کا آغاز صحابہ کرام کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ نے کیا۔

گو یہ بات بظاہر عجیب سی محسوس ہو گی لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس کا معقول اور منطقی ہونا صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ اصول فقہ' قواعد کلیہ اور علم فروق و اشباہ کی بنیادیں خود علم فقہ سے بھی پہلے پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔ جہاں تک علم اصول فقہ کے قواعد کا تعلق ہے تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے اہم قواعد براہ راست کبار صحابہ کے وضع کردہ ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل استدلالات ملاحظہ ہوں جن کے ذریعہ مختلف کبار صحابہ نے مختلف اصول کی نشاندہی فرمائی:

(ا) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جب سواد عراق کی زمینیں فتح ہوئیں تو صحابہ کرام کے مابین شدید اختلاف رائے پیدا ہوا۔ اور ان زمینوں کے مستقبل کے انتظام اور بندوبست کے بارہ میں دو نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ ان مفتوحہ زمینوں کو فاتحین میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مفتوحہ زمینیں تقسیم فرمائی تھیں۔ بعض دوسرے حضرات کی جن میں خود حضرت عمر بھی شریک تھے یہ رائے تھی کہ ان زمینوں کو تقسیم

نہ کیا جائے بلکہ ان کو ان کے سابق مالکان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے جن کی حیثیت مزارع کی ہو' زمین کی مالک اسلامی ریاست قرار پائے اور مزارعین سے جزیہ اور خراج وصول کیا جائے جو سرکاری خزانہ کے لئے آمدنی کے مستقل ذرائع رہیں ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے حامیوں نے بڑے شدومد سے اپنے اپنے موقف کی تائید میں دلائل دیئے۔ یہ ساری بحث جو ایک ماہ تک جاری رہی اس کے کچھ اشارے مختصر طور پر امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں موجود ہیں۔ (۲۲)

اس ضمن میں حضرت عمر نے اپنے نقطہ نظر کی تشریح و دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

" و قد رأیت ان احبس الارضین' بعلوجها' واضع علی اهلها الخراج' و فی رقابهم الجزیته یؤ دونها' فتکون فیا للمسلمین المقاتلته والذریته و لمن یاتی بعدهم۔ أرأیتم هذه المدن العظام' الشام والجزیرة والکوفته و مصر' لا بدلها من ان تشحن بالجیوش وادرار العطاء علیهم' فمن این یعطی هولا' اذا قسمت الارضون والعلوج؟" (۲۳)

"میری رائے یہ ہے کہ میں ان زمینوں کو ان کے کارندوں سمیت روک رکھوں ان پر کام کرنے والوں پر خراج اور ان کی اپنی ذات پر جزیہ عائد کر دوں جس کو یہ لوگ ادا کیا کریں۔ اس طرح یہ زمینیں مسلمان مجاہدین' ان کی اولاد اور بعد والوں کے لئے ایک ذریعہ آمدنی بن جائیں گی۔ آخر آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بڑے بڑے علاقے شام' عراق' کوفہ اور مصر موجود ہیں جہاں بڑی

بڑی فوجیں رکھنا پڑتی ہیں اور ان کو تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں۔ اگر یہ زمینیں کارندوں سمیت تقسیم کر دی گئیں تو پھر ان لوگوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی؟"

یہاں واضح طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی رائے کی تائید اور دفاع میں مصلحت ملکی کا اصول پیش کر رہے ہیں جو اصول فقہ کا ایک بنیادی اصول ہے اور جس پر بہت سے فقہی قواعد کی اساس ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ مبارک میں شراب نوشی کی کوئی طے شدہ اور متعین سزا نہ تھی۔ شراب نوشی کے مجرم کو بلا کسی تحدید و تعین کے سزائے ضرب دی جاتی تھی اور مسجد ہی میں سزا سنا کر حاضرین سے کہا جاتا تھا کہ ہاتھوں، مکوں اور جوتوں سے مجرم کو مناسب سزا دے دیں۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑوں کی سزا بھی دی جس پر حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ تک عمل درآمد ہوتا رہا۔ پھر ایک مرحلہ پر حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ شراب نوشی کے واقعات زیادہ ہونے لگے ہیں اور بالخصوص ان اقوام میں جو فتوحات کے نتیجہ میں نئی نئی اسلام میں داخل ہو رہی تھیں، ایسے لوگ آئے دن پکڑے جاتے تھے جو بار بار شراب نوشی کا ارتکاب کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ صورتحال کبار صحابہ کے سامنے مشورہ کے لئے پیش کی اور تجویز کیا کہ شراب نوشی کی سزا بڑھانی چاہئے۔ اس پر بحث و مباحثہ ہوا اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے سب نے اتفاق کر لیا۔ آپ نے فرمایا:

انہ اذا شرب ھذی، و اذا ھذی افتری فیجب ان یحد القاذف – ۲۳

جب وہ شراب پیئے گا تو لازماً" ہذیان بکے گا۔ اور جب ہذیان بکے گا تو

افترا پردازی بھی کرے گا' لہٰذا اس کو وہ سزا دی جائے جو قذف کرنے والے (یعنی افترا پردازی کرنے والے) کو دی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے استدلال کو قبول کرتے ہوئے صحابہ کرام کے اتفاق سے حضرت عمرؓ نے شراب نوشی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر کر دی۔ یہاں اس استدلال میں حضرت علیؓ نے واضح طور پر دو ایسے قواعد کلیہ پر اپنی رائے کی بنیاد رکھی جنہوں نے بعد میں بہت آگے چل کر واضح شکل اختیار کی' یعنی حکم بالمآل اور سد ذریعہ۔ بالفاظ دیگر فقہ کا یہ اصول کہ معاملات کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرتے وقت محض ان کی ابتدائی اور ظاہری صورت ہی کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ بالآخر ان سے کیا نتیجہ مرتب ہوتا ہے (۲۵)

(۳) قرآن مجید میں بیوہ عورتوں کی عدت کے بارہ میں واضح ھدایت یہ ہے کہ چار مہینہ دس دن کی عدت گذاریں۔ سورۃ بقرہ میں (جس کو دور صحابہ و تابعین میں سورۃ نساء کبریٰ بھی کہا جاتا تھا) ارشاد ہوتا ہے: "**والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن یا نفسھن اربعتہ اشھر و عشرا**" (البقرۃ ۲۳۴) یعنی تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار مہینے دس دن انتظار کریں۔

صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب کوفہ کے قاضی تھے تو ان کی عدالت میں ایک خاتون کا مقدمہ آیا جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ شوہر کے انتقال کے وقت خاتون حاملہ تھی اور اس کی عدت کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ طلاق (جس کو دور صحابہ و تابعین میں سورۃ نساء صغریٰ بھی کہا جاتا تھا) کی اس آیت سے استدلال فرمایا جس میں

ارشاد ہوتا ہے : "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن"اور حاملہ عورتوں کی مدت معینہ (یعنی عدت) یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔ آپ نے فیصلہ دیا کہ مذکورہ خاتون کی عدت چار مہینہ دس دن نہیں ہو گی بلکہ تاوضع حمل جو مدت بھی ہو گی وہ سب کی سب عدت شمار ہو گی۔ یہ استدلال اور فیصلہ کرتے وقت آپ نے فرمایا " اشھد ان سورۃ النساء الصغری نزلت بعد سورۃ النساء الکبری" ۲۶ (میں گواہی دیتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ نساء بڑی سورۃ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے) یہاں آپ رضی اللہ عنہ نے صاف بتایا کہ بعد میں نازل ہونے والا حکم پہلے نازل ہونے والے حکم کا یا ناسخ ہوتا ہے یا اس میں نئی شرائط اور حدود و قیود کے اضافہ کے ذریعہ اس کی تخصیص کرتا ہے۔

لہٰذا ہر سابقہ حکم اور فیصلہ کو بعد کے فیصلہ اور حکم کی روشنی میں پڑھنا' سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ قانون کی تعبیرو تشریح کا وہ اصول ہے جس کو نہ صرف اسلامی قانون بلکہ آج دنیا کے سارے ہی قوانین تسلیم کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کے فقہی استدلالات کی ایسی بہت سی مثالیں حدیث' تفسیر اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان مثالوں پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ عمومی اصول اور قواعد و کلیات جو بہت بعد میں اپنی موجودہ عبارتوں میں مرتب ہوئے' اپنی ابتدائی اور مجرد (Abstract) شکل میں صحابہ کرام کے سامنے تھے۔ صحابہ کرام کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ یہ اصول باقاعدہ شکل میں مدون کئے جائیں یا ان کو کسی خاص عبارت کا جامہ پہنایا جائے۔ اس کی ایک اور ابتدائی وجہ تو یہ ہے کہ اس دور میں علم فقہ اور اصول فقہ دوسرے

اسلامی علوم کی طرح تدوین و تشکیل کے ابتدائی مرحلہ میں تھے اور ابھی ان کو مرتب و منضبط کرنے کا کام شروع نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کی اصل اور حقیقی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو اس کی ضرورت نہیں تھی اور نہ وہ اس کے محتاج تھے کہ قرآن و سنت سے استنباط اور استدلال کرتے وقت ان آلات سے کام لیں۔ بلکہ اپنے خالص ذوق عربیت' حیرت انگیز اور خدا داد فہم و بصیرت اور بے مثال تربیت نبوی کی بدولت وہ قریب قریب جبلی طور پر ایسے استعدادی ملکہ کے حامل ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو زبان رسالت سے نجوم ہدایت کا خطاب ملا (۲۷)

صحابہ کرام کے اس اسلوب اجتہاد و استدلال کو تابعین نے آگے بڑھایا۔ اور جیسے جیسے فقہائے تابعین مختلف اسلامی احکام پر غور کرتے گئے یہ قواعد اور ان کے مابین پائے جانے والے فروق (distinctions) ان کے سامنے واضح اور منقح ہوتے چلے گئے۔ خود قرآن مجید اور احادیث نبوی کے اسلوب بیان اور طرز استدلال نے بھی اس کام میں ان کی رہنمائی فرمائی۔ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں شاذ و نادر ہی کلیات اور اصول کو کلیات اور اصول کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا خاص طور پر' اور احادیث نبویہ کا عام طور پر اسلوب یہ ہے کہ عمومی کلیات کو جزئی مثالوں کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ بہت سے ملتے جلتے احکام پر غور و فکر اور تدبر کرنے سے ان جزئی احکام میں جاری و ساری عمومی اصول اور ان کی پشت پر کار فرما قاعدہ کلیہ کا پتا چلتا ہے۔ اس معاملہ میں قرآن کا اسلوب استدلالی اور استخراجی (deductive) نہیں بلکہ استقرائی (Inductive) ہے۔ اس سارے عمل میں ابتدائی اہمیت اس بات کی ہے کہ پہلے ان ملتے جلتے جزئی احکام اور

مشابہ مثالوں کو دریافت کیا جائے جو کسی ایک عمومی اصول یا قاعدہ کلیہ کے ما تحت آتے ہوں۔ ان ملتے جلتے جزئی احکام اور مشابہ مثالوں کا اصطلاحی نام الاشباہ والا مثال یا الاشباہ و النظائر ہے۔ اپنے اس خاص فنی مفہوم میں پہلے پہل یہ اصطلاح ہمیں حضرت عمر فاروقؓ کے اس شہرہ آفاق خط میں ملتی ہے جو انہوں نے عدالتی پالیسی اور نظام قضاء کے بارہ میں حضرت ابو موسی اشعریؓ کو لکھا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

الفهم الفهم فيما يتلجلج فى صدرك مما ليس فيه قران ولا سنته' واعرف الاشباه والا مثال' ثم قس الاسور بعد ذلك' ثم اعمد لاجبهاو اقربها الى الله واشبهها بالحق - (۲۸)

جن معاملات میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتے ہیں ان کے بارہ میں خوب غور و فکر اور سمجھ بوجھ سے کام لو۔ (ایسے نئے مسائل حل کرنے کے لئے) تم پہلے قرآن و سنت میں موجود ملتے جلتے مسائل اور مثالوں سے واقفیت پیدا کرو پھر نئے امور کو قیاس کرو اور وہ حل اختیار کرو جو اللہ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور حق سے قریب تر ہو۔ غالبا" حضرت عمرؓ کے اس خط کے بعد ہی سے اس پورے علم کا نام علم الاشباہ والنظائر ہو گیا جس میں استقراء و تدبر کے اس عمل سے کام لے کر شریعت کے عمومی اصولوں اور قواعد کلیہ کا پتا لگایا جاتا ہے۔ دور صحابہ کے آخری زمانہ سے لے کر دوسری صدی ہجری کے وسط تک کی سو سالہ مدت میں اس میدان میں کتنا اور کیا کام ہوا' اس موضوع پر کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ تاہم اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں قریب قریب ہر قابل ذکر فقیہ نے اس سرگرمی میں حصہ لیا اور بہت سے اصولوں کی دریافت میں

بعد والوں کے کام کو آسان بنایا۔ لیکن اس صد سالہ دور میں قواعد فقہیہ کے بجائے زیادہ زور قواعد اصولیہ پر رہا۔ امام شافعی کی شہرہ آفاق کتاب الرسالہ کو بغور پڑھا جائے تو اس کے پس منظر میں موجود اصولی بحثوں اور قانونی اختلافات کی وہ ساری بنیادیں صاف محسوس ہو جاتی ہیں۔ جن کے بارہ میں ایک صحیح نقطہ نظر کو منقح اور واضح کرنے کے لئے امام صاحب نے یہ کتاب لکھی تھی۔

قواعد کلیہ کے موضوع پر کتابیں:

قواعد کلیہ اور اس سے ملتے جلتے دوسرے موضوعات مثلاً الفروق وغیرہ پر جو لٹریچر ہم تک پہنچا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی طرف ایک باقاعدہ علم کی حیثیت سے حنفی فقہاء نے توجہ دی۔ یوں بھی فقہ حنفی دوسرے موجودہ فقہی مکاتب کے مقابلے میں قدیم تر ہے اس لئے بھی یہ شرف حنفیوں ہی کو حاصل ہونا چاہئے تھا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے فقیہ جن کی تحریروں میں ان موضوعات پر باقاعدہ مباحث ملتے ہیں وہ امام محمد بن الحسن الشیبانی ہیں۔ ان کی کتابوں بالخصوص الجامع الکبیر، کتاب الاصل اور کتاب الحجتہ علی اھل المدینہ میں جا بجا ایسی بحثیں موجود ہیں جن سے علم قواعد و فروق کو منظم و منضبط کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ امام محمد کا اسلوب

نگارش' طرز استدلال اور مسائل فقیہہ سے بحث کرنے کا انداز ایسا ہے کہ اس سے سب سے پہلے ملتے جلتے مسائل اور مشابہ اصول سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے اور پھر ایسے مسائل کے مابین فرق یا فروق بھی واضح ہو جاتے ہیں جو بظاہر ایک جیسے ہوں لیکن دراصل ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ نہ صرف امام محمد کے ہاں بلکہ علم فروق پر لکھنے والے دوسرے فقہاء کے ہاں بھی اول اول ان فروق سے بحث کی گئی جو مختلف فروعی مسائل کے مابین پائے جاتے ہیں۔ لیکن جب بالتدریج علم فروق نے نکھر کر ذرا باقاعدہ حیثیت اختیار کر لی تو پھر رفتہ رفتہ قواعد کلیہ اور اصولی مباحث کے درمیان پائے جانے والے فروق پر بھی پہلے غور و فکر اور پھر تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا۔

شاید امام محمد کی انہی تاریخ ساز فقہی بحثوں کا اثر اور نتیجہ تھا کہ حنفی فقہاء کے طبقہ متقدمین' یعنی دور متون سے پہلے فقہاء (۲۹)' نے نہ صرف قواعد کلیہ کے موضوع پر قلم اٹھایا بلکہ اس کو ایک باقاعدہ اور مستقل بالذات علم کی شکل بھی دے دی۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے امام ابو حنیفہ کے فقہی اجتہادات پر خاص طور پر اور عام اسلامی احکام پر عام طور پر اس نقطہ نظر سے غور کیا کہ ان کی پشت پر کون سے بنیادی اصول کارفرما ہیں' ان بنیادی اصول کا جوں جوں پتا چلتا گیا ان کو مختلف فقہائے کرام مرتب کرتے رہے۔ حنفیوں ہی سے یہ چیز دوسرے فقہی مکاتب نے لی اور اپنے اپنے اجتہادات کے مطابق اس کو ڈھال لیا۔ شروع شروع میں ان قواعد کے لئے اصول کا لفظ اختیار کیا گیا چنانچہ امام ابوالحسن کرخی اور امام ابو زید دبوسی نے اصول (عربی میں اصل) ہی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ان دونوں اصحاب نے امام

ابوحنیفہ ہی کے اصول سے بحث کی ہے اور امام ابوحنیفہ نے مختلف مسائل میں جو اجتہادات کئے تھے ان کی پشت پر کارفرما کلیات اور اصول کا ذکر کیا ہے۔(۳۰)

قواعد کلیہ کا قدیم ترین مجموعہ جو ہم تک پہنچا ہے' وہ امام ابوالحسن کرخی کا رسالہ اصول الکرخی ہے۔ امام صاحب کا پورا نام ابوالحسن عبیداللہ بن الحسین ہے بغداد کے محلّہ کرخ کے رہنے والے تھے' اسی نسبت سے کرخی کہلائے۔ ۲۶۰ ھ /۷۴-۸۷۳ء میں ولادت اور ۳۴۰ ھ /۵۲-۹۵۱ء میں وفات ہوئی اس لحاظ سے وہ کبار ائمہ محدثین میں سے امام ابن ماجہ اور امام ابو داؤد امام ابوعیسیٰ ترمذی' امام ابوحاتم رازی' امام دارمی' امام ابوزرعہ دمشقی' امام بزار' امام نسائی' امام ابو یعلی الموصلی اور امام ابوعوانہ کے ہم سن معاصر تھے۔ مشہور فقہاء میں ان کے نامور معاصرین میں امام ابوجعفر طحاوی اور امام داؤد ظاہری کا نام نمایاں ہے۔ ان جلیل القدر ائمہ علوم کی موجودگی میں امام کرخی کو ان کے اہل زمانہ نے بہت بڑا فقیہ تسلیم کیا اور ان کو بالاتفاق اپنے دور کا سب سے بڑا حنفی فقیہ مانا گیا۔

رسالہ اصول الکرخی میں امام کرخی نے ۳۹ ایسے اصول و کلیات بیان کئے ہیں جو ان کی رائے میں فقہ حنفی کی بنیاد ہیں۔ امام کرخی کے ان اصول کا بغور مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں قواعد' ضوابط' اصول اور کلیات سب شامل ہیں۔ ان میں کچھ اصول تو ایسے عمومی کلیات کی حیثیت رکھتے ہیں جو فقہ اسلامی کا مجموعی سرمایہ قرار دیئے جاسکتے ہیں اور کچھ اصول ایسے ہیں جو محض حنفی طرز استدلال اور اسلوب اجتہاد کے مطابق فقہی مسائل کا حل معلوم کرنے اور فقہی احکام کی علت کا پتا چلانے میں ہی کار آمد

ہو سکتے ہیں۔ ان دوسری قسم کے اصول میں بعض ایسے اصول بھی ہیں جن کو کسی قدر شدید تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا اور مختلف حنفی فقہاء نے ان کے دفاع میں بہت سے دلائل اور اعتذارات بھی پیش کئے۔ مثلاً اصول الکرخی میں دیا گیا اٹھائیسواں اصول ملاحظہ فرمایئے:

الاصل ان کل ایتہ تخالف قول اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح اوعلی التاویل من جھتہ التوفیق۔(۳۱)

(یعنی اصل یہ ہے کہ ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو تو اس کے بارہ میں سمجھا جائے گا کہ وہ منسوخ ہے' یا کسی اور دلیل کو اس پر ترجیح حاصل ہے یا اس میں ایسی تاویل کی جائے کہ اس آیت میں اور ہمارے اصحاب کے قول میں موافقت پیدا ہو جائے۔)

اگرچہ اس اور اس جیسے دو ایک دوسرے اصول کی جو تعبیرو تشریح حنفی علماء کرتے آئے ہیں وہ قابل اعتراض نہیں ہے' اور نہ اس اصول کی تطبیق کی وہ مثالیں جو علامہ ابو حفص نسفی نے دی ہیں کسی اعتراض کی گنجائش باقی رہنے دیتی ہیں۔ لیکن اس کے ظاہری الفاظ چونکہ ذرا موحش واقع ہوئے ہیں اس لئے کسی نہ کسی تردد کی گنجائش بہرحال رہتی ہے۔

بہرحال ایک آدھ ایسے مختلف فیہ اصول کی موجودگی سے کتاب کی قدر و قیمت میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی اور امام کرخی کا یہ لازوال امتیاز اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ وہ قواعد فقہیہ پر سب سے پہلی موجود کتاب کے مصنف ہیں۔ امام کرخی نے اس کتاب میں جو ۳۹ کلیات جمع کئے ہیں ان میں بعض حضرات (علی اختلاف آراء) ان دو یا تین اصولوں کو شامل نہیں کرتے جو بقول ان کے حنفیت کی زائد از ضرورت تائید و مدافعت پر مبنی ہیں۔ (۳۲)

ان کلیات میں غالباً" امام ابو طاہر الدباس کے مرتب کردہ وہ سترہ قواعد بھی شامل ہیں جن کا ذکر گذر چکا ہے۔ ابو طاہر الدباس بھی امام کرخی کے ہم عصر تھے۔ ان کا پورا نام محمد بن محمد الدباس ہے۔ عراق میں فقہائے اہل الرائے کے امام کہلاتے تھے۔ روایات کے بھی حافظ اور ماہر تھے۔ شام میں قاضی بھی رہے۔ (۳۳) علامہ حموی شارح اشباہ و النظائر نے ان کے والد کا نام ابوسفیان بیان کیا ہے۔ بظاہر ان کا نام محمد اور کنیت ابوسفیان تھی۔ غالباً" ان کے والد شیرہ یا راب (دبس) بنایا کرتے تھے اس لئے یہ خاندان دباس (شیرہ ساز یا راب گر) کے لقب سے مشہور ہو گیا(۳۴) لیکن قطعیت کے ساتھ یہ تعین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ امام کرخی کے ان ۳۹ اصول میں وہ سترہ قواعد کون سے ہیں جو امام ابو طاہر دباس کے مرتب کئے ہوئے تھے۔

امام کرخی کے ان ۳۹ اصول کی مختصر تشریح بعد کے ایک اور نامور حنفی فقیہ امام نجم الدین ابو حفص عمر النسفی (متوفی ۵۳۷ھ) نے کی۔ انہوں نے ہر قاعدہ کے تحت ایک' یا چند صورتوں میں ایک سے زائد مثالیں دے کر ان اصول کی افادیت بڑھا دی۔ ذیل میں بطور مثال دو ایک قواعد اور ان کی مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے یہ اندازہ ہو گا کہ امام نسفی نے کس انداز سے مختصر مثالوں کے ذریعہ اپنے پیشرو امام کرخی کے بیان کردہ قواعد کو واضح کیا اور سمجھایا ہے:

امام کرخی نے اصل نمبر ۲ میں لکھا ہے:

الاصل ان الظاہر یدفع الاستحقاق ولا یوجب الاستحقاق

(اصول یہ ہے کہ حالت ظاہری مانع استحقاق ہے موجب استحقاق نہیں ہے۔)

یعنی محض کسی ظاہری حالت یا کیفیت کی بنیاد پر کوئی شخص اپنے لئے کسی استحقاق (Right or entitlement) کا دعوی نہیں کر سکتا' البتہ کسی دوسرے شخص کے کسی ایسے دعوی کو جس کی بنیاد کسی دلیل یا ثبوت پر نہ ہو حالت ظاہری کی بنیاد پر مسترد کیا جا سکتا ہے- امام نسفی نے اس کی جو مثال دی ہے وہ یہ ہے:

اگر کسی شخص کے قبضہ میں کوئی مکان یا جائیداد ہو اور دوسرا شخص آن کر اس کی ملکیت کا دعوی کر دے تو جب تک وہ کوئی واضح اور ناقابل تردید ثبوت پیش نہیں کرے گا اس کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا' اس لئے کہ یہاں حالت ظاہری (یعنی مدعا علیہ کا قبضہ) مدعی کے استحقاق کی مانع ہے- اس کے برعکس اگر اس مکان یا جائیداد کے برابر میں کوئی مکان یا جائیداد فروخت ہو اور یہ قابض شخص محض اس بنیاد پر اس فروختنی جائیداد پر حق شفعہ حاصل کرنا چاہئے کہ وہ برابر کے مکان کا قابض ہے تو اگر مدعا علیہ اس قابض کے مالک ہونے کا انکار کرے تو محض قبضہ کی بنیاد پر اس کو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہو گا جب تک وہ کسی دلیل اور واضح ثبوت سے اپنے مالک ہونے کو ثابت نہ کرے' اس لئے کہ حالت ظاہری موجب استحقاق نہیں ہے- (۲۵) اصل نمبر ۹ میں فرماتے ہیں:

الاصل ان السوال و الخطاب یمضی علی ما عم و غلب' لا علی ماشذ و ندر-

(اصول یہ ہے کہ سوال اور گفتگو کی بنیاد وہ (معانی اور تصورات) ہوتے ہیں جو عام اور ہر جگہ رائج ہوں وہ نہیں جو شاذ ہوں اور کبھی کبھار استعمال ہوتے ہوں-)

یہاں امام کرخی نے عرف و عادت (Custom اور Usage) کے بارہ میں وہ اصول بیان کیا ہے جس نے آگے چل کر بہت واضح شکل اختیار کی اور جس کے بہت سے پہلوؤں کو الگ الگ قواعد کی صورت میں مرتب کیا گیا۔

(۳۶) امام نسفی اس کے عملی انطباق کی مثال دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں : اگر کوئی شخص یہ قسم کھا لے کہ انڈا نہیں کھاؤں گا تو اس سے مراد پرندوں کے انڈے لئے جائیں گے، مچھلی وغیرہ کے انڈے نہیں۔ لہٰذا اگر وہ مچھلی کا انڈا کھا لے تو اس پر قسم توڑنے کا کفارہ واجب نہ ہوگا : البتہ اگر وہ کسی پرندے کا انڈا کھائے گا تو اسے قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

اس سے ملتا جلتا اصول امام کرخی نے اصل نمبر ۱۰ کے تحت بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں :

الاصل ان جواب السوال یجری علی حسب ما تعارف کل قوم فی مکانهم۔

(اصول یہ ہے کہ کسی سوال کا جواب اس (تصور اور مفہوم) کے مطابق ہو گا جو کسی قوم کے ہاں اس کے علاقہ میں معروف مروج ہو۔)

اس اصول کا تعلق بھی عرف و عادت کے تصورات سے ہے۔ لیکن اس کی تشریح میں امام نسفی نے جو مثال دی ہے وہ اس اصل نمبر ۱۰ کے مقابلہ میں اصل نمبر ۹ پر زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں : "اگر کوئی شخص قسم کھا لے کہ کھانا نہیں کھاؤں گا تو محض دودھ پی لینے سے قسم ٹوٹ جائے گی اگر وہ کسی عرب ملک میں ہو۔ لیکن کسی عجمی ملک میں ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لئے کہ غذا اور کھانے سے مراد ہر قوم میں وہی چیز ہو گی جو ان کے ہاں

اس حیثیت سے متعارف و مقبول ہو۔" (۳۷)

امام کرخی کے بیان کردہ ۳۹ اصول کا یہی انداز ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں اپنے دریافت کردہ اصول بیان کرتے ہیں اور امام نسفی بہت مختصر انداز میں مثالیں دیتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ اصول اور ان کی مثالیں اتنی مختصر ہیں کہ جس شخص کو فقہ سے اچھا خاص مس نہ ہو وہ ان سے بسہولت استفادہ نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ امام کرخی کے ان اصول کو آنے والی صدیوں میں مزید صیقل کیا جاتا رہا اور ان میں سے قریب قریب سبھی کی عبارتی شکل وہ نہ رہی جو امام کرخی نے انے مرتب کی تھی۔ مثلاً مجلۃ الاحکام العدلیہ میں جو ۹۹ اصول دیئے گئے ہیں ان میں صرف ایک ایسا ہے (اصل نمبر۱) جس کی عبارت جزوی طور پر مجلّہ کے متعلقہ قاعدہ (نمبر۴) سے ملتی جلتی ہے۔ ورنہ بقیہ سب اگرچہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مجلّہ میں موجود ہیں لیکن ان الفاظ اور عبارتوں میں نہیں جو امام کرخی نے مرتب کی تھیں۔

اصول الکرخی کے بعد اس میدان میں سب سے اہم کام امام ابوزید عبیداللہ بن عمر الدبوسی کی کتاب تاسیس النظر کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا۔ امام ابوزید دبوسی (متوفی ۴۳۰ھ /۱۰۳۹ع) اپنے زمانہ کے نہایت نامور حنفی فقیہ تھے۔ فقیہانہ استدلال اور قانونی بصیرت و مہارت میں ضرب المثل مانے جاتے تھے۔ مورخ ابن خلکان کے بیان کے مطابق انہوں نے ہی سب سے پہلے علم الخلاف یا علم اختلاف الفقہاء (تقابلی مطالعہ قانون) کی طرح ڈالی اور اس کو ایک باقاعدہ منفرد علم قرار دیا۔ (۳۸) امام دبوسی نے اس کتاب میں قواعد کلیہ کے ساتھ ساتھ مختلف قواعد کے تحت آنے والے احکام کی بھی

مثالیں دی ہیں' اسی طرح مختلف فقہی ابواب کے تحت مسائل کو منضبط کرنے والے بعض اہم ضوابط بھی کتاب میں درج کیے ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کو درج ذیل نو اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہ اور ان کے دو نامور شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کے درمیان پائے جانے والے فقہی اختلاف آراء کی بنیادیں۔ اس حصہ میں وہ قواعد و اصول دیئے گئے ہیں جن سے امام ابو حنیفہ اور ان کے ان دو شاگردوں کے نقطہ ہائے نظر کے فرق کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے امام محمد نے اختلاف کیا ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے امام ابو یوسف نے اختلاف کیا ہے۔

(۴) امام ابو یوسف اور امام محمد کے مابین پائی جانے والی اختلاف آراء کے اصول و قواعد۔

(۵) تین ممتاز حنفی ائمہ فقہ امام محمد' امام حسن بن زیاد اللولوی (اور غالبا" امام ابویوسف)۔(۳۹) کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے ان کے ایک اور نامور حنفی رفیق امام زفر نے اختلاف کیا ہے۔

(۶) حنفی ائمہ فقہ (امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد اور امام زفر وغیرہ) کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں ان سے امام دارالھجرت امام مالک نے اختلاف کیا ہے۔

(۷) تین ممتاز حنفی ائمہ فقہ (امام محمدؒ امام زفر اور امام حسن بن زیاد) کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں انہوں نے امام ابو حنیفہ کے نامور معاصر قاضی ابن ابی لیلی (متوفی ۱۴۸ھ) کی آراء و اقوال سے اختلاف کیا ہے۔

(۸) مذکورہ بالا حنفی ائمہ فقہ کی ان فقہی آراء کے اصول و قواعد جن میں انہوں نے امام محمدؒ ادریس الشافعی کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

(۹) متفرق اختلافی اقوال و آراء کے اصول و قواعد۔

ان نو اجزاء میں سے ہر ایک جزو کو مختلف ابواب کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب میں اس موضوع سے متعلق یا اس سے ملتے جلتے امور سے متعلق اصول و کلیات بیان کئے گئے ہیں۔ ہر اصل اور کلیہ کی مثالیں اور تطبیقی نظائر بھی توضیح مراد کی غرض سے دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ امام دبوسی نے "اصل" کا لفظ عمومی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ جس میں قواعد، ضوابط اور اصول سب شامل ہیں۔

دوسرے فقہاء کے ہاں علم قواعد

فقہائے احناف کی ان ابتدائی تصنیفی مساعی کے بعد دوسرے فقہی مسالک نے بھی اس فن کی طرف توجہ دی ۔ اس وقت ہمارے سامنے اس موضوع پر جو لٹریچر موجود ہے اس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلکی اعتبار سے قواعد کلیہ اور اس سے متعلقہ موضوعات فروق وغیرہ پر کام کرنے کی ترتیب یہ رہی ہے:

(ا) فقہ حنفی

(۲) فقہ شافعی

(۳) فقہ حنبلی

(۴) فقہ مالکی

(۵) اور فقہ شیعی

اس ضمن میں یقین کے ساتھ تو یہ کہنا مشکل ہے کہ فقہائے شافعیہ میں سب سے پہلے کس نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ لیکن اس امر پر خود شافعی فقہاء بھی متفق ہیں کہ قواعد فقہیہ کی تدوین کا ابتدائی سہرا فقہائے احناف کے سر ہے۔ چنانچہ قواعد کلیہ پر لکھنے والے نامور ترین شافعی فقیہ علامہ جلال الدین سیوطی کو اعتراف ہے کہ ان قواعد کا آغاز حنفی فقیہ امام ابو طاہر الدباس نے کیا تھا اور پہلے شافعی فقیہ جنھوں نے اس طرف توجہ کی وہ ھرات کے قاضی ابو سعید الھروی تھے جنھوں نے بوریئے میں چھپ کر ابو طاہر کے سترہ قواعد میں سے سات قواعد "سرقہ" کئے تھے۔ قاضی ابو سعید نے جب یہ سات قواعد لے کر فقہائے شافعیہ کے حلقوں میں متعارف کرائے تو قاضی حسین نے انہی قواعد کی طرز پر فقہ شافعی کے قواعد مرتب کئے اور غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ امام شافعی کے اجتہادات کی بنیاد ان چار قواعد پر ہے:

(۱) الیقین لایزول بالشک: یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

(۲) المشقۃ تجلب التیسیر: مشقت سہولت کو جنم دیتی ہے یا سہولت کا باعث بنتی ہے۔

(۳) الضرر یزال: ضرر کو ختم کیا جائے گا۔

(۴) العادۃ محکمۃ: رسم و رواج کو حکم ٹھہرایا جائے گا۔ بعد میں بعض شافعی فضلاء نے ان چار میں ایک پانچویں قاعدہ کا بھی اضافہ

کیا جو یہ تھا:

(۵) الامور بمقاصدھا ' معاملات کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہو گا ۔ (۴۰)
چونکہ اسلام کے بنیادی ارکان بھی پانچ ہیں اس لئے ان بنیادی قواعد کے لئے پانچ کا عدد فقہائے کرام کے حلقوں میں خاصا مقبول ہوا ۔ علامہ علائی نے کہا یہ آخری اضافہ بہت مناسب ہے اس لئے کہ خود امام شافعی نے حدیث " انما الاعمال بالنیات" یعنی اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے (جس سے یہ قاعدہ ماخوذ ہے) کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اس میں ایک تہائی علم شریعت آ جاتا ہے ۔ لیکن علامہ تاج الدین سبکی کا کہنا ہے کہ ان پانچ قواعد کو سارے علم فقہ کی بنیاد قرار دینا محض تکلف اور زبردستی ہے ۔ مثلاً پانچواں قاعدہ (الامور بمقاصدھا) اپنے نتائج کے اعتبار سے پہلے قاعدہ کے مفہوم میں شامل ہے ۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر قاضی عزالدین بن عبدالسلام نے تو سارے علم فقہ کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیا ہے:

(الف) مصالح کا حصول

(ب) مفاسد کا دفعیہ

بلکہ ذرا غور کیا جائے تو ان دونوں کو بھی الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ مفاسد کا دفعیہ بھی مصالح و مقاصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے ۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ دراصل مصلحت کا حصول ہی سارے علم فقہ کا اصل الاصول ہے ۔ بناء بریں اگر مذکورہ بالا قواعد میں سے کوئی ایک قاعدہ سارے علم فقہ کی بنیاد بن سکتا ہے تو وہ اوپر بیان کئے گئے پانچ قواعد میں سے تیسرا قاعدہ ہے یعنی الضرر یزال (ضرر اور نقصان کو ختم کیا جائے گا) (۴۱) ۔
خلاصہ کلام یہ کہ قاضی حسین جن کا پورا نام قاضی ابو علی حسین بن محمد

المروزی (متوفی ۴۶۲ھ) تھا پہلے شافعی فقیہ ہیں جنہوں نے فقہ شافعی پر قواعد فقھیہ کے نقطہ نظر سے غور کیا اور مذکورہ بالا چار قواعد مرتب کئے ۔ قاضی حسین ہی کے ایک ہم عصر شافعی فقیہ ابوالعباس احمد بن محمد الجرجانی الشافعی (متوفی : ۴۸۲ھ) تھے جنہوں نے کتاب المعایاۃ فی العقل کے نام سے علم الفروق پر ایک کتاب لکھی ۔ چونکہ علم فروق اور قواعد کلیہ کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس علم سے متعلق قدیم تریم شافعی کتاب یہی کتاب المعایاۃ ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ اہم کتاب ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ قاہرہ میں نمبر ۹۱۵ فقہ شافعی پر موجود ہے ۔ ممتاز محقق ڈاکٹر محمد طموم نے اس کا مطالعہ کیا ہے ۔ ان کے بیان کے مطابق اس کتاب کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہے ابواب کے عنوانات بھی فقہی (نہ کہ اصولی) انداز کے ہیں ۔ لیکن ابواب کی ترتیب اور مندرجات میں کوئی یکسانیت نہیں ہے ۔ بعض جگہ دو مسئلوں کے مابین فرق بیان کر کے چھوڑ دیا ہے ۔ بعض جگہ تفصیل سے احکام کا ذکر کیا ہے ۔ بعض جگہ انداز بیان سوال و جواب کا سا ہے ۔ اسلوب بیان بھی ڈاکٹر محمد طموم کی رائے میں بہت پیچیدہ ہے ۔ (۴۲) اس کتاب کے علاوہ فقہ شافعی میں قواعد و فروق پر اور بھی کئی کتابیں بعد کے ادوار میں لکھی گئیں ، لیکن نہ معلوم کن اسباب کی بناء پر ان کو بہت زیادہ قبول عام حاصل نہیں ہو سکا ' ایسی بیشتر کتابیں یا تو مرور زمانہ سے ضائع ہو گئیں یا ابھی تک قلمی کتب خانوں کی زینت ہیں اس ضمن میں بعض اہم قلمی کتابوں کا تعارف آگے چل کر پیش کیا جائے گا ۔

علم قواعد اور اس کے متعلقہ مباحث پر فقہ شافعی کی سب سے مقبول

اور اولین کتاب قاضی عزالدین بن عبدالسلام السلمی (المتوفی ۶۶۰ھ) کی قواعد الاحکام فی مصالح الانام ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت جامع اور قدیم کتابوں میں سے ایک ہے اور اس کو قریب قریب ہر دور میں قبولیت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب اس کی اعلیٰ علمی حیثیت اور منطقی انداز بیان کے علاوہ مصنف کا تقویٰ، خدا ترسی اور بلند اخلاقی کردار بھی تھا۔ کتاب میں مصلحت کے بنیادی تصور، اس کی قسموں، تفصیلات اور اطلاقات سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے ثابت کیا ہے کہ شریعت کے احکام کی بنیادی غرض بندوں کی مصلحتوں اور فوائد کا حصول ہے ۔ کتاب میں اگرچہ خود کوئی قواعد کلیہ بیان نہیں کیے گئے لیکن جن قواعد کی بنیاد تصور مصلحت پر ہے ان کی بڑی عمدہ تشریح اور تطبیق اس کتاب میں ملتی ہے۔

حنبلی فقہاء میں جن حضرات نے سب سے پہلے قواعد کے موضوع پر جداگانہ کتابیں لکھیں اور ہم تک پہنچیں ان میں علامہ ابن رجب کا نام سب سے نمایاں ہے۔ ابن رجب کا پورا نام عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب البغدادی الدمشقی ہے۔ بغداد میں ۷۳۶ھ (مطابق ۱۳۳۵ء) میں پیدا ہوئے اس لئے بغدادی کہلاتے ہیں۔ نو عمری ہی میں ۷۴۴ھ (مطابق ۱۳۴۳ء) میں بغداد سے ترک وطن کر کے دمشق چلے گئے اور بقیہ تمام عمر وہیں گزاری اس لئے دمشقی کہلاتے ہیں دمشق ہی میں ۴ رمضان المبارک ۷۹۵ھ (مطابق ۱۳۹۳ء) کو انتقال ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے قریب باب الصغیر میں دفن ہوئے۔

علامہ ابن رجب کی کتاب جو عام طور پر قواعد ابن رجب کہلاتی ہے فقہ

حنبلی کی اہم اور مقبول کتابوں میں سے ہے ۔ اس کا مکمل نام تقریر القواعد و تحریر الفوائد ہے ۔ عرب ممالک میں کئی بار چھپ چکی ہے ۔ قاھرہ سے ایک مقبول ایڈیشن ۱۹۷۱ء میں بڑی تقطیع کے ۴۸۷ صفحات پر شائع ہوا تھا ۔ مصنف نے اس کتاب میں ایک سو ساٹھ قواعد اور آخر میں ۲۱ فوائد ذکر کئے ہیں ۔ لیکن اس کتاب میں قواعد سے ان کی مراد فنی اعتبار سے فقہی قواعد نہیں ہیں بلکہ غالبًا وہ لفظ قواعد کو مباحث یا ملتے جلتے مباحث کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں ۔ ان کا اسلوب یہ ہے کہ وہ قاعدہ کے عنوان سے کسی ایک بنیادی فقہی مسئلہ کو لے کر اس کو بہت وضاحت اور تفصیل سے بیان کرتے ہیں ۔ ساتھ ہی اس سے ملنے یا اس سے نکلنے والے ذیلی فقہی مسائل سے بھی بحث کرتے جاتے ہیں ۔ عصر حاضر کے نامور فقیہ استاد مصطفیٰ احمد الزرقاء اس کتاب کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

و ھو کتاب عظیم القیمتہ ' یحمل من الثور الفقھیتہ ما یحل عن الوصف ۔ ۴۳

(یہ ایک نہایت بیش بہا کتاب ہے ۔ اس میں جو قانونی و فقہی سرمایہ موجود ہے وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ۔)

حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں اس کو علمی دنیا کے عجائبات میں سے قرار دیا ہے ۔ (۴۴) لیکن اپنی اس زبردست اہمیت اور بے مثال قدر و قیمت کے باوجود خود یہ کتاب براہ راست قواعد کلیہ ' ضوابط فقہیہ یا اصول توجیہہ کے موضوع پر نہیں ہے ۔ البتہ اس میں جا بجا بہت سے قواعد و ضوابط اور اصول بکھرے ہوئے ضرور ملتے ہیں ۔

فقہ حنبلی میں دوسری قابل ذکر کتاب انہی علامہ ابن رجب کے تلمیذ

رشید علامہ ابن اللحام کی کتاب القواعد ہے جس کا پورا نام القواعد و الفوائد الاصولیتہ و ما یتعلق بھا من الاحکام الفرعیتہ ہے۔ علامہ ابن اللحام کا پورا نام ابوالحسن علاء الدین علی بن عباس ابن اللحام البعلی الحنبلی ہے۔ ۷۵۲ھ۔ میں قاہرہ میں عید الاضحیٰ کے روز فوت ہوئے۔ اصلاً دمشق کے رہنے والے تھے، وہیں فقہ و شریعت کی تعلیم حاصل کی اور حافظ ابن رجب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے فقہ حنبلی میں اختصاص کیا۔ پھر دمشق ہی میں اپنے استاد کے زیر نگرانی تدریس و افتاء کا کام کیا۔ جامع اموی دمشق میں وعظ کی ذمہ داری بھی انجام دی۔ درس و افتاء اور وعظ و ارشاد کے اس کام نے ان کو شام میں شیخ الحنابلہ بنا دیا۔ اس اثناء میں کچھ عرصہ کے لئے دمشق کے نائب قاضی بھی رہے۔ لیکن جب باقاعدہ قاضی کا منصب سنبھالنے کے لئے کہا گیا تو معذرت کر دی۔ شام پر تاتاری قبضہ کے بعد شام سے ترک وطن کر کے مصر چلے گئے اور قاہرہ میں سکونت اختیار کر لی اور منصوریہ میں درس و تدریس کی ذمہ داری سنبھال لی۔ وہیں عیدالاضحیٰ کے روز وفات پائی۔ (۴۵)

قواعد کلیہ پر کام کرنے والے متاخر حنفی فقہاء:

متقدمین کے انداز پر قواعد کلیہ پر کام کرنے والے آخری اہم حنفی فقیہ علامہ زین العابدین ابراہیم ابن نجیم المصری (متوفی ۹۷۰ء) ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الاشباہ و النظائر میں قواعد کلیہ فروق الاشباہ والنظائر وغیرہ ملتے جلتے علوم سے بحث کی ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر حصہ کو فن کا نام دیا ہے۔ ابن نجیم کی یہ کتاب اپنی ترتیب اور مندرجات میں ان کے شافعی پیش رو علامہ جلال الدین سیوطی کی الاشباہ

والنظائر سے بہت مماثل و مشابہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن نجیم نے اسی کو بنیاد بنا کر اپنی کتاب مرتب کی۔

فن اول میں ۲۵ قواعد سے بحث کی ہے اور ان پچیس قواعد کو پھر دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں وہ چھ قواعد درج کئے ہے جن کو ابن نجیم کی رائے میں فقہ اسلامی کی بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے نزدیک فقہ اسلامی کے دوسرے تمام قواعد کلیہ ' اصول ' ضوابط اور فروعی احکام سب بلاواسطہ یا بالواسطہ ان چھ قواعد سے متعلق ہیں۔ ان میں پانچ قواعد تو وہی ہیں جن کو امام ابو طاہر الدباس سے چھپ کر ابو سعید ہروی نے سن لیا تھا ' یعنی

(۱) الامور بمقاصدھا (۲) الضرر یزال (۳) العادۃ محکمتہ (۴) الیقین لایزول بالشک (۵) المشقتہ تجلب التیسیر۔

ایک اور کا ابن نجیم نے اضافہ کیا : (٦) لا ثواب الا بالنیتہ ۔ لیکن علامہ مصطفیٰ احمد زرقاء نے بجا طور پر لکھا ہے کہ اس کو ایک الگ بنیادی قاعدہ شمار کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔ غور کیا جائے تو یہ پہلے قاعدہ ہی کا ایک ذیلی قاعدہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ الامور بمقاصدھا میں اخروی اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ دنیوی نتائج و تصرفات اور فیصلے بھی شامل ہیں جب کہ لاثواب الابالنیتہ میں محض اخروی ثواب کا ذکر ہے۔ بہرحال یہ دونوں قاعدے مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری مانویٰ سے ماخوذ ہیں اور اسی کے دو مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں ابن نجیم نے مختلف موضوعات پر ۱۹ قواعد بیان کئے ہیں جو پہلے چھ یا پانچ قواعد کی بہ نسبت کم جامعیت رکھتے ہیں اور ان کے اطلاق کی ہمہ گیری ذرا کم ہے۔

ان سب قواعد سے جس قسم کے احکام نکلتے ہیں، اور جہاں جہاں ان کا اطلاق ہوتا ہے ان سب پر ابن نجیم نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ ابن نجیم کی یہ کتاب عرب و عجم میں کئی بار چھپ چکی ہے اور دنیائے حنفیت کی ایک مقبول و متداول کتاب ہے۔

بارھویں صدی ہجری کے وسط میں ترکی کے حنفی فقیہ علامہ محمد ابو سعید الخادمی نے قواعد کلیہ پر قابل ذکر کام کیا۔ انہوں نے اصول فقہ پر ایک کتاب مجامع الحقائق کے نام سے لکھی جس کے آخری باب میں قواعد کلیہ سے بحث کی۔ یہ کتاب ۱۳۰۸ھ میں قسطنطنیہ کے مطبعہ عامرہ سے چھپی۔ انہوں نے خود ہی اس کی ایک شرح بھی لکھی تھی جو منافع الحقائق کے نام سے اسی متن کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

قواعد کو انہوں نے حروف تہجی کے ترتیب سے جمع کر دیا ہے، کل ۱۵۴ قواعد بیان کیئے (۴۶)۔ ان میں سے بعض قواعد تو وہ ہیں جو علامہ مصطفیٰ زرقاء کی تقسیم کے مطابق اصول توجیہیہ ہیں جو مرتب نے حنفی فقہاء کے لئے مرتب کئے ہیں تاکہ وہ احکام کے استنباط و استدلال اور تعلیل میں ان سے راہنمائی لیں۔ بعض اور قواعد ایسے ہیں جو مجلّہ وغیرہ میں موجود متداول قواعد سے Over Lap ہوتے ہیں۔ بقیہ قواعد کلیہ ہیں جو علامہ خادمی نے ابن نجیم سے لے کر اضافے کئے ہیں۔

یاد رہے کہ حروف تہجی کی ترتیب سے قواعد کلیہ کو بیان کرنے کی طرح آٹھویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ علامہ زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے ڈالی تھی۔ ان کی کتاب المنثور فی ترتیب القواعد الفقھیہ میں قواعد کی ترتیب حروف تہجی کی بنیاد پر ہے (۴۷)۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ نے قواعد کلیہ کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ۔ مجلّہ نے ابن نجیم اور خادمی وغیرہ کے ہاں جو موتی بکھرے ہوئے تھے ان کو مہذب و منقح کر کے ۹۹ قواعد کی صورت میں مرتب کیا اور مجلّہ کی دفعہ ۲ سے ۱۰۰ تک۹۹ قواعد کی حیثیت سے گویا قانونی شکل دے دی ۔ اگرچہ مجلّہ کے مقدمہ کے رو سے ان دفعات (۲ ۔ ۱۰۰) کی وہ حیثیت نہیں ہے جو مجلّہ کی بقیہ دفعات کی ہے تاہم پہلی بار قواعد یا Maxims کو ایک قانون موضوعہ کا جزو قرار دیا گیا۔ اس سے ان کے مطالعہ اور درس و تدریس کی عام رو چل پڑی۔

مجلّہ کے ہر شارح نے ان قواعد کی بھی شرح کی ۔ چنانچہ پانچ شارحین مشہور ہیں:

(۱) خالد الاتاسی

(۲) علی حیدر

(۳) منیر القاضی

(۴) یوسف آصاف

(۵) سلیم بن رستم باز لبنانی (مسیحی)

ان شارحین میں ابتدائی دو یعنی خالد الاتاسی اور علی حیدر کی شرحیں بہت مقبول و متداول رہی ہیں ۔ اول الذکر حال ہی میں پاکستان میں بھی پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے ۔ اس کا اردو ترجمہ ادارہ تحقیقات اسلامی سے شائع ہو رہا ہے اور جلد اول کا ترجمہ جس میں مجلّہ کے ۹۹ قواعد کلیہ کی مفصل شرع بھی شامل ہے پہلے ہی چھپ چکا ہے ۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں جو ۹۹ قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہیں وہ اپنی جامعیت ، عبارت کی خوبصورتی اور اختصار کی وجہ سے سارے قواعدی لٹریچر

میں ممتاز ہیں ۔ مجلّہ کے مرتبین نے اس وقت تک ہونے والے سارے (حنفی) کام سے استفادہ کیا اور ۹۹ عمومی قواعد منتخب کر کے جمع کر دیئے۔

لیکن مجلّہ کے قواعد میں تکرار کے ساتھ ساتھ تداخل بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں سے بعض قواعد تو بالکل بنیادی نوعیت کے ہیں اور بعض میں نسبتہ" فروعی پہلو بھی پایا جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ استاذ مصطفیٰ زرقاء نے ان کو دو زمروں میں تقسیم کیا ہے :

(۱) بنیادی قواعد

(۲) فروعی قواعد

بنیادی قواعد سے ان کی مراد وہ اساسی قواعد ہیں جن سے بہت سے فروعی احکام اور متعدد فروعی قواعد نکلتے ہیں لیکن وہ خود کسی دوسرے قاعدہ سے ماخوذ نہیں ہیں ۔ فروعی قواعد سے مراد وہ قواعد ہیں جو کسی بنیادی اور اساسی قاعدہ کی ذیلی تشریحات کے ضمن میں آتے ہیں یا اس کی کسی فرعی بحث سے اعتناء کرتے ہیں۔

مجلّہ کی مرتب کرنے والی کمیٹی نے قواعد کو بیان کرنے میں کوئی خاص ترتیب پیش نظر نہیں رکھی تھی ۔ بلکہ بلا کسی ترتیب یا معنوی رعایت کے قواعد بیان کر دیئے تھے ۔ ان میں یہ رعایت بھی نہیں رکھی گئی تھی کہ ہم معنی یا قریب المعنی قواعد یکجا ذکر کئے گئے ہوں یا کسی ایک بحث یا موضوع سے متعلق قواعد یکجا ہوں (۴۸)

مثلاً یہ قواعد ایک موضوع سے متعلق ہیں لیکن انہیں الگ الگ بیان کیا گیا ہے ۔ ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۱۲، یا یہ قواعد ۵، ۱۰، ۹، ۸، ۱۱، ۱۳، ۵۷، ۴۷، ۴۳، ۴۲، ۳۸، یا یہ قواعد ۱۹، ۳۱، ۲۰، ۲۵، ۲۷، ۲۹، ۲۶، یا مثلاً یہ قواعد ۱۷،

۱۸، ۲۱، ۲۲، ۳۲۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ کے بعد قواعد کلیہ پر نمایاں کام مفتی دمشق شیخ محمود حمزہ کا ہے جو سلطان عبدالحمید خان مرحوم کے زمانہ میں دمشق میں مفتی تھے۔

انہوں نے ایک جامع کتاب الفوائد البہیہ فی القواعد و الفوائد الفقہیہ کے نام سے لکھی جس میں انہوں نے قواعد کلیہ، ضوابط فقہیہ، اصول فقہیہ سب کا بھرپور استقصاء کر کے ان کو فقہی ابواب پر مرتب کر دیا۔ مجلّہ سے باہر بھی جہاں جہاں سے کام کی باتیں ملیں وہ سب لے لیں۔ ہر قاعدہ، ضابطہ اور اصول کی تطبیق کی مثالیں بھی دی ہیں۔ فوائد کے عنوان سے جا بجا بعض بنیادی احکام بھی بیان کرتے گئے ہیں۔

یہ کتاب ۱۲۹۸ھ میں دمشق میں چھپی۔ لیکن خالص قواعد کلیہ (مجلّہ کے انداز کے) ان میں بھی نسبتہ کم ہیں۔ یا تو مختلف فقہی ابواب کے ضوابط ہیں یا ایسے بنیادی احکام اور اصول ہیں جو کسی ایک یا دو فقہی ابواب سے متعلق ہیں۔ اس کتاب میں بیان کردہ قواعد و ضوابط کی کل تعداد اڑھائی سو ہے۔ علاوہ ازیں مصنف محترم نے قواعد کے ساتھ ساتھ ۶۳۶ فوائد بھی ذکر کئے ہیں جو گرانقدر علمی فوائد پر مشتمل ہیں۔ اس طرح قواعد و فوائد کی کل تعداد ۸۸۶ ہے۔ مصنف نے فائدہ کا لفظ قریب قریب ضابطہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ (۴۹) مفتی محمود حمزہ نے وقف سے متعلق قواعد کا بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ (۵۰)

حواشی

(۱) علامہ مصطفیٰ احمد الزرقاء الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید جلد دوم ص ۹۴۶ مع حاشیہ، طبع دمشق ۱۹۶۳

(۲) ابن نجیم : الاشباہ والنظائر، طبع بیروت ۱۹۸۰ء ص ۱۵ - ۱۶، نیز السیوطی : الاشباہ والنظائر، طبع بیروت، ۱۹۷۹ء ص ۷

(۳) حموی : غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، ص ۱۴ بحوالہ حاشیہ الاشباہ والنظائر از ابن نجیم، حوالہ بالا، ص ۱۶

(۴) مصطفیٰ احمد الزرقا، حوالہ ماقبل، جلد دوم، ۹۴۷ (حاشیہ)

(۵) البقرہ (۲) : ۱۲۷ - النحل (۱۶) : ۲۶

(۶) الحموی : شرح الاشباہ والنظائر، طبع نو لکشور، ص ۱۹

(۷) حوالہ بالا

(۸) علامہ مصطفیٰ احمد الزرقاء، نے یہ تعریف حموی سے منسوب فرمائی ہے حوالہ ماقبل، ج ۲

(۹) ابن رستم باز شرح المجلہ، باب اول

(۱۰) علی حیدر : درر الحکام، ج ۱ ص ۱۷ (ذیل دفعہ ۲)

(۱۱) استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء، حوالہ بالا، جلد دوم، ص ۹۴۱

(۱۲) الحموی : شرح الاشباہ والنظائر، طبع نو لکشور، ص ۱۹

(۱۳) اس اصول پر فقہی بحث کے لئے دیکھئے : بدائع الصنائع، جلد اول، ص ۲۹۱ - ۲۹۳ اور دوسری مطولات۔

(۱۴) استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ج ۲، ص ۹۴۳

(۱۵) مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ ۱ - اصل الفاظ یہ ہیں : و تلک القواعد مسلمۃ معتبرۃ فی

الکتب الفقہیتہ تتخذ ادلتہ لاثبات المسائل و فہمہانی بادی الامر' فذکرھا بوجب الاستئناس بالمسائل ویکون وسیلتہ لتقررھا فی الاذھان-

(۱۶) یوسف اصاف: مراۃ المجلتہ' جلد اول' ص ۴

(۱۷) مجلتہ الاحکام العدیلہ' مقدمہ

(۱۸) یوسف اصاف' حوالہ مذکورہ بالا

(۱۹) امام قرافی' الفروق' مقدمہ' بتغیر لفظی

(۲۰) مجلتہ الاحکام العدلیہ طبع استنبول' ۱۳۰۵ھ مقدمہ ص ۶

(۲۱) کتاب الخراج' امام ابویوسف' طبع بولاق' ۱۳۰۲ھ ص ۲۵ و مابعد

(۲۲) حوالہ بالا' ص ۲۷

(۲۳) حضرت علی کا یہ استدلال بہت مشہور ہے اور فقہ اور حدیث کی متعدد کتب میں مذکور ہے- یہاں یہ الفاظ دکتور مصطفیٰ سعید الخن کی کتاب اثرالا اختلاف فی القواعد الاصویتہ فی اختلاف الفقہا' طبع سوم بیروت' ۱۹۸۳ ص ۱۲۱ سے لئے گئے ہیں-

(۲۴) سد ذریعہ پر بہت جامع اور مبسوط بحث کے لئے ملاحظہ ہو ابن قیم الجوزیہ اعلام الموقعین عن رب العالمین' جلد سوم

(۲۵) یہ دونوں مثالیں بھی ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الخن کی مذکورہ بالا کتاب سے ماخوذ ہیں- ملاحظہ ہو ص ۱۲۱ ـ ۱۲۲

(۲۶) اشارہ ہے اس حدیث نبوی کی طرف جس میں ارشاد ہوا ہے: اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم

(۲۷) اسی دستاویز کے مکمل متن' ترجمہ اور مختصر اردو شرح کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی مرتب کردہ کتاب ادب القاضی' اسلام آباد ۳۲ صفحات ۲۶۵-۳۴۷/۳

(۲۸) فقہ حنفی کے آغاز و ارتقاء اور بعد کی تاریخ کو مورخین فقہ نے مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے-

پہلا دور امام ابوحنیفہ اور ان کے براہ راست تلامذہ کا ہے۔ دوسرا دور امام صاحب کے تلامذہ کے بعد کے زمانے سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے آخر تک ہے یہ وہ زمانہ ہے جب مختصر اور جامع فقہی متون (texts) مرتب کرنے کا رواج شروع ہوا۔ اور اسی دور کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

(۲۹) مزید ملاحظہ ہو، استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء کی عظیم الشان کتاب الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، جلد دوم، صفحات ۹۴۶۔۹۴۷

(۳۰) اصول الکرخی، اصل نمبر ۲۸

(۳۱) استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء، نے (حوالہ ماقبل ص ۹۴۸) امام کرخی کے ان کلیات کی تعداد ۳۷ اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے (مقدمہ اردو ترجمہ اصول الکرخی، اسلام آباد ۱۴۰۲ھ ص ۸) ۳۶ قرار دی ہے۔ استاذ زرقاء نے اصل کتاب کے دو اور مولانا ھاشمی نے تین کلیات کو شمار نہیں کیا۔

(۳۲) عبدالحی لکھنوی، الفوائد البہیتہ فی تراجم الحنفیتہ، ص ۱۰۹، ۱۸۷

(۳۳) حموی : غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، طبع نو لکشور، ص ۱۴

(۳۴) اصول الکرخی، مطبوعہ مع تاسیس النظر للدبوسی، طبع محمد امین الخالی قاہرہ، ص ۸۰ اردو ترجمہ، حوالا بالا، ص ۱۵-۱۶

(۳۵) مثلاً" ملاحظہ ہوں، مجلتہ الاحکام العدلیہ کے باب اول میں دیئے گئے حسب ذیل قواعد ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵

(۳۶) اصول الکرخی، حوالہ بالا، ص ۸۱، اردو ترجمہ، حوالہ بالا ص ۱۸

(۳۷) ابن خلکان : وفیات الاعیان لیکن مورخ ابن خلکان کی جلالت شان کے باوجود ان کی اس رائے سے مطلقاء اتفاق کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خود، اختلاف الفقہاء کے عنوان سے صرف تقابلی مطالعہ قانون پر کم از کم دو اہم کتابیں ایسی ہیں جو امام دبوسی سے بہت پہلے لکھی گئی

اور ہم تک پہنچی ہیں۔ یعنی امام ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی اختلاف الفقہاء جس کا ایک حصہ مستشرق یوسف تخت نے سنہ ۱۹۳۲ میں لائیڈن (ہالینڈ) سے شائع کیا تھا' دوسری امام ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ کی اختلاف الفقہاء جس کی ایک جلد ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی کی تحقیق سے سنہ ۱۹۷۱ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ہوئی تھی۔ البتہ اس اعتبار سے امام دبوسی کو اس علم کا "موجد" تو نہیں "مدون مانا جا سکتا ہے انہوں نے ان فقہی اختلافات کی تہ میں پائے جانے والے اصولی اور "قواعدی" اختلافات کی نشاندھی کی اور ایسے قواعد کو الگ الگ مرتب کر دیا جن سے تقابلی مطالعہ قانون کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

(۳۸) کتاب کے مطبوعہ نسخہ میں دو ہی نام ہیں۔ قوسین میں تیسرا نام اندازہ سے راقم سطور نے بڑھایا ہے۔

(۳۹) ملاحظہ ہو الاشباہ والنظائر' علامہ جلال الدین سیوطی' طبع بیروت ۱۹۷۹' ص ۷۔۸

(۴۰) حوالہ بالا

(۴۱) مقدمہ کتاب الفروق للکرابیسی' طبع کویت' ۱۹۸۲ء ص ۱۱

(۴۲) علامہ مصطفیٰ احمد الزرقاء الفقہ الاسلامی فی توبہ الجدید' جلد دوم ص ۹۵۴۔۹۵۵

(۴۳) حوالہ بالا

(۴۴) ملاحظہ ھو علامہ سخاوی : الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع' ج ۵' ص ' ۳۲۰ فقرہ ۱۰۶۲ قریب قریب یہی معلومات حافظ ابن حجر نے انباء العصر میں دی ہیں۔ (بحوالہ محمد حامد الفقی' مقدمہ القواعد و الفوائد الاصولیہ و ما یتعلق بھا من الاحکام الفرعیتہ طبع قاہرہ' مطبعتہ السنتہ المحمدیہ ۱۹۵۶)

(۴۵) زرقاء' ص ۹۵۰۔۹۵۱ جلد دوم فقرہ ۵۶۵

(۴۶) علامہ زرکشی کی یہ کتاب حال ہی میں دو جلدوں میں کویت سے چھپ چکی ہے۔

(۴۷) زرقاء جلد دوم ص ۹۵۵۔۹۵۶

(۴۸) راقم الحروف استاذ جلیل علامہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ دامت برکاتہم کا شکر گزار ہے جن کی عنایت سے اس کتاب کی ایک عکسی نقل پیرس کے مرکزی کتب خانہ سے حاصل ہوئی۔

(۴۹) بحوالہ استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء، جلد دوم، ص ۹۵۱-۹۵۲